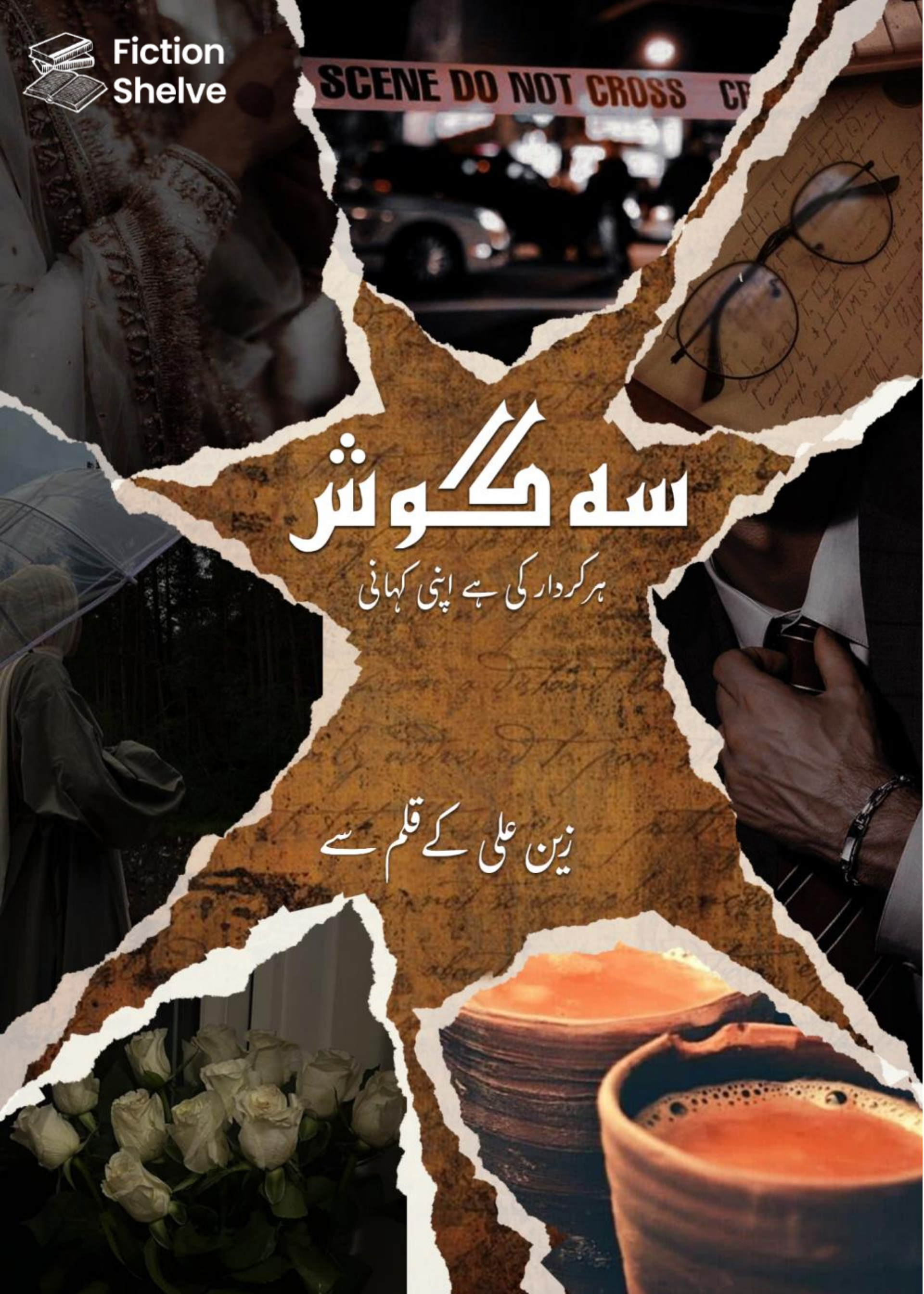
Fiction
Shelve
SCENE DO NOT CROSS
سہ گوش
ہر کردار کی ہے اپنی کہانی
زین علی کے قلم سے

سہ گوش از زین علی

قسط نمبر 07:

”چودھری صاحب آپ ان مجرموں کا ساتھ مت دیں۔“

شازیہ اور سلطان اپنے کمرے میں بیٹھے ہوئے تھے۔

سلطان صوفے پر براجمان تھے اور شازیہ بیڈ کر بیٹھی ہوئی تھیں۔

شام کا وقت تھا۔ کھڑکی سے باہر دیکھیں تو سورج غروب ہو رہا تھا۔ سنہرا خوبصورت سماں سرسبز کھیتوں کے سنگ دن کے آخری مناظر دکھا رہا تھا۔

سلطان نے ایک نظر اپنی سمجھدار بیوی کو دیکھا۔

وہ سب کچھ جانتی تھی، وہ یہ جانتے تھے۔

”آپ نے دیکھا نا ثمرا کے ساتھ کیا ہو رہا ہے۔ اسے شاید خواب میں رانی نظر آ رہی ہے۔ آپ ان دونوں کو سزا ہونے دیں۔ اللہ ہماری بیٹی کو شفا دے گا۔“

’’شوقا اور تاڑا میرے خاص ہیں۔‘‘ سلطان ایک لمحے کو رکے۔

’’کیا تو انہوں نے غلط ہی ہے۔ رانی ہمارے گھر کی بچی تھی۔‘‘ سلطان اٹھ کر شازیہ کے پاس چلے آئے۔

ان کے دل میں رانی کے لئے نرم گوشہ تھا۔ آخر انہوں نے اس کے ہاتھ سے بنا کھانا کھایا تھا۔

’’مجھے رانی کو انصاف دلانا چاہیے۔ اسکا باپ بھی میرے پاس آیا تھا۔ بہت دکھی تھا۔ اپنی بیٹی کے لئے دکھی تھا اور اسکی بیوی۔۔۔ وہ تو بے چاری چلی (نیم پاگل) ہو گئی ہے۔‘‘ سلطان بول رہے تھے۔ ’’میں نے خاموش رہ کر غلطی۔ مجھے بولنا چاہیے تھا۔ اچھا ہوا وہ دونوں جیل میں ہیں۔ اب وہ وہیں رہیں گے۔‘‘

شازیہ نے خوشی سے اپنے شوہر کو دیکھا۔

یہ ایک درست فیصلہ تھا۔ جو سلطان نے لیا تھا۔

ہمیں کبھی بھی کسی ریپ اور قتل کرنے والے مجرم کو سپورٹ نہیں کرنا چاہیے۔ بلکہ اگر مجرم کا پتا ہو تو فوراً پولیس میں اس کے خلاف رپورٹ کرنی چاہیے۔

ریپ اور قتل جیسے جرم معاف کرنے کے قابل نہیں ہیں اور نہ ریپسٹ اور قاتل کو کسی بھی طرح سپورٹ کرنا چاہیے۔

قاتل کا ساتھ دینا یوں ہی ہے جیسے اسکے ساتھ مل کر قتل کرنا اور اسی طرح ریپسٹ کا ساتھ دینا یوں ہے جیسے خود اس گناہ میں شامل ہونا۔

دوسروں کی بیٹوں کو اپنی بیٹی سمجھ کر سچ کا ساتھ دینا چاہیے۔

"آپ نے بہت اچھا فیصلہ کیا ہے چودھری صاحب۔" شازیہ فخریہ بولی تھی۔

"آپ ہمیشہ ہی ٹھیک فیصلہ کرتے ہیں۔"

اس کمرے اور اس حویلی سے دور تھانے میں احسان حوالات کے پیچھے بند تھا۔

وہ دیوار سے ٹیک لگا کر بیٹھا تھا۔ مٹیار گل کرسی پر بیٹھا، میز پر کوئی فائل رکھے دیکھ رہا تھا۔

احسان مٹیار گل کو ہی دیکھ رہا تھا۔

"تیرے باپ نے مکمل بیان دے دیا ہے۔" مٹیار نے ایک زہریلی نظر دوسری طرف بنے حوالات کو دیکھا۔

احسان نے بولنے کے لئے منہ کھولا ہی تھا کہ کچھ سوچتے ہوئے چپ کر گیا۔

کیا اس کے باپ نے اسکی محبت کو قتل کیا تھا۔ کیا اس نے رانی کے ساتھ زیادتی کی تھی۔

کیا وہ سچ میں اس سب میں شامل تھا۔ احسان مسلسل یہی سوچ رہا تھا۔

اس نے قرب سے آنکھیں بند کیں۔ رانی جیسے اسے دکھائی دی تھی۔

وہ ماضی کی یادوں میں چلا گیا تھا۔

یہ بات رانی کے قتل سے کچھ دن پہلے کی ہے۔

احسان صبح پانچ بجے اٹھ گیا تھا۔ اسے گاؤں کے باہر بنے قبرستان کے پاس رانی کو ملنے جانا تھا۔

وہ پانچ بجے گھر سے پیدل نکلا تھا۔ گاؤں کے چند لوگ اپنے کھیتوں کی طرف جا رہے تھے لیکن زیادہ تر لوگ سات آٹھ بجے اٹھا کرتے تھے گاؤں میں۔

اس قبرستان کے سامنے ایک کھلا سا میدان تھا۔ لڑکے اس میدان کو کرکٹ اور گُلی ڈنڈا کھیلنے کے لئے استعمال کرتے تھے۔ اس میدان، جسے سب ''پلے گراؤنڈ'' کے نام سے جانتے تھے، کے ایک طرف ایک بڑا سا بوڑھا درخت کھڑا تھا۔

احسان اس درخت کی طرف چلا آیا۔ کچھ دیر انتظار کرنے کے بعد رانی اسے اپنی طرف آتی دکھائی دی۔

وہ تر و تازہ لگ رہی تھی۔ اس نے جامنی رنگ کی قمیض شلوار پہن رکھی تھی اور سر پر سفید اور قمیض سے ذرا ہلکے رنگ کا جامنی دوپٹہ اوڑھ رکھا تھا۔

اس کی چوٹی دوپٹے سے باہر کمر کے نیچے تک آتی تھی۔اس کے کالے لمبے سیدھے بال تھے۔

''مجھے لگا آج بھی تم میرے بعد آؤ گے لیکن آج تو جیسے تمہیں کوئی بڑی ضروری بات کرنی تھی۔'' وہ اپنے پنجابی لب و لہجے میں اُردو بول رہی تھی۔

''نہیں رانو میں بس تجھے یاد کر رہا تھا۔'' احسان اداسی سے بولا۔

رانی اس کے قریب چلی آئی اور اسکے ذرا فاصلے پر بیٹھ گئی۔وہ ہمیشہ اس سے ذرا دور ہی بیٹھا کرتی تھی۔

بے شک وہ اس سے محبت کرتی تھی لیکن اسے اپنی حدود کا پتا تھا۔

''کیا ہوا۔۔۔'' رانی نے ایک نظر اسے دیکھا۔

وہ گندمی رنگت والا ایک عام سے چہرے والا لڑکا تھا۔اس کے چہرے پر بہت کم بال تھے۔اس کی مونچھیں اور داڑھی ابھی ٹھیک سے نہیں آئی تھیں۔

’’مجھے نہیں پتا کچھ دن سے بے چینی سی ہے۔ مجھے ایک بہت پیڑا خاب (براخواب) آیا تھا۔‘‘ وہ گلابی اُردو میں بولا۔

اس گاؤں کے سارے لوگ گلابی اُردو ہی بولتے تھے۔

’’تم ٹھیک ہونا۔۔۔وہ خواب۔۔۔کس بارے میں تھا۔ اگر چاہو تو مجھے بتادو۔‘‘

رانی شروع سے ہی ایسی تھی۔ ہمدرد اور نرم دل۔ دوسروں کی فکر کرنے والی۔

’’او خاب تیرے بارے چہ سی۔‘‘

(وہ خواب تمہارے متعلق تھا۔)

رانی ایک پل کو حیران ہوئی پھر کچھ سوچ کر بولی۔ ’’بتاؤ مجھے۔‘‘

احسان نے بے چین نظروں سے اسے دیکھا۔ جیسے سوچ رہا ہو کہ رانی کو خواب کا بتاؤں یا نہیں۔

"میں نے دیکھا۔۔۔تُو بھاگ رہی ہے اور تیرے پیچھے کچھ کتے لگے ہیں۔ جنگلی کتے تھے، بڑے بڑے دانتوں والے۔ وہ بھونک رہے نے تے پھر تو بھاگتے ہوئے ایک جنگل میں پونچ (پہنچ) جاتی ہے۔تے بھاگتے ہوئے ایک کنواں میں گر جاتی ہے۔"

رانی خاموشی سے سن رہی تھی۔

"پھر میں اپنے آپ نو ویکھناواہ۔ میں نے اس کنواں میں دیکھنا چاہا۔ وہاں اندھیرا تھا۔ میں نے اس میں چھلانگ لگادی۔ اور جب میں اس میں گرا۔۔۔میں نے تمہیں لبنا (تلاش) چاہا لیکن تم وہاں نہیں تھی۔ میں بھی اس کنواں میں پھس (پھنس) چکا تھا۔ وہاں اکیلا پن اور سناٹا تھا۔ جیسے تو مجھے چھوڑ گئی ہے اور میں اکیلا رہا گیا ہوں۔"

رانی نے ایک گہرا سانس لے کر اسے دیکھا۔

"احسان یہ بس ایک براخواب ہے۔ دیکھو ہم دونوں یہاں ہیں۔" رانی نے ایک نظر اسے دیکھا۔

وہ ڈرا ہوا لگ رہا تھا۔

’’ہم ایک ساتھ ہیں۔‘‘ وہ بولی۔

’’مگر تم اپنا دھیان رکھنا۔‘‘

احسان نے اسے دیکھا۔ وہ وہاں نہیں تھی۔ وہ حوالات میں تھا اور رانی مر چکی تھی۔

وہ ماضی سے نکل آیا تھا۔ اسے اس خواب کا مطلب اب سمجھ آیا تھا۔

جو کچھ ہوا پچھلے دنوں میں ہوا۔ یہ اس خواب کی تعبیر تھی۔

اسکا قتل اسکے باپ۔۔۔ وہ سوچنے لگا۔ اس بات سے بے خبر کہ رانی کا قتل کسی ایک نے نہیں۔۔۔ تین لوگوں نے کیا تھا۔ جس میں سے دو مجرم اپنا بیان دے چکے تھے اور یہ بھی مان چکے تھے کہ وہی قاتل ہیں۔

—☆☆☆—

ہم سب کی زندگیوں میں کچھ الجھنیں ہوتی ہیں۔ کچھ مسائل ہوتے ہیں اور کچھ ماضی کے راز۔ ہماری کہانی میں ہر کردار کے راز ہیں۔ یہ راز ہمیں پراسرار بناتے

سہ گوش
(از زین علی)

ہیں۔ میں نے کہیں سنا تھا جو شخص پر اسرار ہوتا ہے لوگ اسکی طرف کھینچے چلے جاتے ہیں۔ جیسے وہ شخص مقناطیس ہو۔

ہم اس کہانی کو ایک الگ نظریے سے دیکھتے ہیں۔ یہ کہانی ہے رانی کی۔ ایک راز جیسے کھولنے کا وقت ہوا جاتا ہے۔

ایک لڑکی جس کو انسان کی کھال پہنے کچھ درندوں نے مار دیا۔ وہ اس رات نا جانے کتنی دفعہ مری ہو گی نا جانے کتنی دفعہ اسکی امیدیں ٹوٹی ہو گی۔

نا جانے اسکی روح پر کتنے زخم لگے ہو گیں نا جانے کتنے۔۔۔

ہو سکتا ہے اللہ پر اسکا یقین بھی کم ہوا ہو۔ ہو سکتا ہے اسے اللہ سے شکوہ ہوا ہو۔ ہو سکتا ہے اس نے دعائیں کی ہو لیکن وہ حادثہ ہونا اسکے ساتھ طے تھا۔

کیا یہ اسکی غلطی تھی؟

کہانی کو شروع سے سنتے ہیں۔

رانی باورچی کھانے میں کھانا بنا رہی تھی اور گڈی اسکی مدد کر رہی تھی۔

شازیہ بیگم کچن کے آگے باہر کی طرف بنے بڑے سے لونگ روم میں بیٹھی ہوئی تھیں۔انکے سامنے زیورات کے بہت سارے ڈبے کھلے پڑے ہوئے تھے۔

سکینہ (ملازمہ، گڈی کی ماں) زمین پر بیٹھی ان ڈبوں کو دلچسپی سے دیکھ رہی تھی۔

دلچسپی اور لالچ سے۔اسکے منہ میں پانی آرہا تھا۔

وہ موٹی عورت چوڑی ہو کر بیٹھی کچھ چھپا رہی تھی۔

"سکینہ یہ دیکھو۔" شازیہ بیگم نے ایک سرخ ڈبہ سکینہ کی طرف کیا۔"یہ موتی ہار میری اماں کا تھا۔اس سے پہلے یہ میری نانی کا۔"

سکینہ کی آنکھیں کھلی کی کھلی رہ گئیں۔

یہ سفید موتیوں کا بنا ایک خوبصورت ہار تھا۔ملائم موتی۔

"رانی۔۔۔"انہوں نے کچن کی طرف منہ کر کے آواز لگائی۔

رانی کچن سے باہر آتی دکھائی دی۔وہ اپنے گیلے ہاتھ اپنے دوپٹے سا صاف کرتی چلی آئی۔

"جی بی بی۔"

"تمہیں ایک کام بولا تھا میں نے۔" انہوں نے معنی خیز لہجے میں کہا۔

"کونسا؟" انکا اشارہ زیورات کی طرف تھا۔

سکینہ کبھی رانی کا منہ دیکھتی کبھی بی بی جی کا۔ اسے سمجھ نہیں آرہی تھی کہ کیا بات ہو رہی ہے۔

وہ جاننا چاہتی تھی آخر رانی اور بی بی جی کیا کھچڑی پکا رہی ہیں۔

"بی بی جی کوئی بھی دے دیں۔" رانی نے لاپرواانداز میں کہا۔

سکینہ نے حیرانگی سے دیکھا۔ کیا بی بی رانی کو اپنا زیور دے رہی تھیں۔

"بی بی جی مجھے بتائیں میں کر دیتی ہوں آپ کا کام۔" موٹی ملازمہ بڑی مشکل سے کھڑی ہوئی۔

"تم جاؤ کچن میں گڈی کی مدد کرو۔ مجھے رانی سے بات کرنی ہے۔" شازیہ بیگم نے سنجیدگی سے حکم صادر کیا تھا۔

سکینہ نے رانی کو یوں دیکھا جیسے اسکے یہاں ہونے سے اسکا پتا ہمیشہ کٹ ہو جاتا تھا۔

سکینہ کچن کی طرف چلی گئی لیکن وہ وہیں باہر رک کر انہیں دیکھ رہی تھی۔ کچن کے دروازے کے پاس کھڑی ہو کر۔

”امی!“

سکینہ سہم کر مڑی۔ وہ یوں ڈری تھی جیسے اس کی چوری پکڑی گئی ہو۔

رانی نے بھی مڑ کر دیکھا تھا۔

”اماں تو یہاں کیا کر رہی ہے۔“ گڈی نے اپنی باریک سی آواز میں پوچھا۔ اسکا لہجہ خالص دیہاتی تھا۔

سکینہ نے اسے چپ رہنے کا اشارہ کیا۔ گڈی نے ایک نظر اپنی ماں کو دیکھا اور پھر لونگ روم میں بیٹھی شازیہ بیگم اور رانی کو۔

وہ سارا معاملہ سمجھ گئی۔

اس نے گہرا سانس لیا اور کچن میں چلی گئی۔وہ جانتی تھی کہ اسکی ماں جاسوسی کر رہی ہے۔

باہر لونگ روم میں شازیہ بیگم رانی کو زیورات دکھا رہی تھیں۔

"بی بی جی آپ مت کروائیں یہ سب۔" رانی نے شازیہ بیگم کو سمجھانا چاہا۔

"تم بس یہ کروادو۔"

ناجانے وہ دونوں کس بارے میں بات کر رہی تھیں۔

—☆☆☆—

دوپہر کا وقت تھا۔حوالات کے پیچھے بند احسان خاموش بیٹھا ہوا تھا۔

وہ مسلسل کچھ سوچ رہا تھا۔

کیا اسکا باپ۔۔۔

وہ اس کے آگے نہیں سوچ سکا۔

اس نے تکلیف سے آنکھیں بند کر لیں۔اسے جیسے کچھ یاد آیا تھا۔

سچ کہتے ہیں جب انسان تکلیف میں ہو تو اسے اپنی زندگی کے کئی اہم حصے یاد آتے ہیں۔

اس نے آنکھیں کھولیں۔

وہ حوالات میں نہیں تھا۔

رانی کے قتل سے ایک ماہ پہلے۔

احسان گلی میں کھڑا اسکا انتظار کر رہا تھا۔ وہ رانی کے ساتھ دوسرے گاؤں میں لگے میلے پر جانے والا تھا۔

وہ گلی کی نکڑ پر کھڑا تھا۔ گلی میں اس وقت کوئی بھی نہیں تھا۔ دھوپ لگی ہوئی تھی اور بادل آسمان میں تیرتے ہوئے مغرب کی طرف بڑھ رہے تھے۔

اس نے رانی کے گھر کی طرف دیکھا۔ اسے دروازہ کھلتا ہوا دکھائی دیا اور پھر رانی اور مریم ساتھ ساتھ باہر آتے دکھائی دیے۔

وہ ایک گلی سے باہر نکل آیا۔ رانی اور مریم اسکے پیچھے پیچھے آرہے تھے۔

وہ یوں ہی چلتے چلتے گاؤں سے باہر نکل آئے تھے۔ یہ قبرستان والا راستہ تھا۔ ایک راستہ قبرستان کے باہر سے تھا اور ایک قبرستان کے درمیان سے۔ وہاں قبرستان کے اندر تو کئی چھوٹے چھوٹے راستے تھے۔

وہ مین درمیانی راستے پر نکل آیا۔ اس نے مڑ کر دیکھا۔ رانی اور مریم وہاں نہیں تھیں۔ وہ شاید باہر والے راستے سے گئے ہو گیں۔

''رانی اس مرو (مریم) کو ساتھ کیوں لے آئی۔'' اس نے سوچا۔ ''اکیلی بھی تو آ سکتی تھی۔''

شاید یہی وجہ تھی کہ وہ سیدھے راستے سے میلے کی طرف جا رہے تھے۔ وہ مریم کو کیوں لائی تھی یہ تو وہی بتائے گی۔ شاید مریم نے بھی میلا دیکھنے کی ضد کی ہو گی۔ اسی لئے رانی اسے انکار نہ کر سکی اور ساتھ لے آئی۔

قبرستان کی زمین کہیں سے اونچی تھی اور کہیں سے اس راستے کے برابر۔ کافی پرانی قبریں بھی تھیں اور چند ایک نئی بھی۔ بہت سارے درخت اور پھول بوٹے لگے ہوئے تھے۔

بہت خاموشی تھی۔ سننے میں عجیب لگتا ہے لیکن ایک سکون سا تھا۔

وہ قبرستان سے باہر نکل آیا۔

دونوں بہنیں اسے آگے چلتی ہوئی دکھائی دیں۔ رانی نے ایک لمحے کے لئے مڑ کر دیکھا۔

اس نے کندھا ہلا کر اشارہ کیا۔ رانی نے آنکھیں گھما کر مریم کی طرف اشارہ کیا۔

شاید مریم کو بھی میلا دیکھنا تھا اور وہ اسکے ساتھ زبردستی آئی تھی۔

کچھ دیر چلنے کے بعد شور سنائی دینے لگا۔ ڈھول کی آواز اور لوگوں کا شور۔

میلا قریب تھا۔ چند قدم طے کرنے کے بعد دکانیں اور جھولے انہیں نظر آنے لگا۔

رانی اور مریم آگے تھے اور اندر گھس چکے تھے۔

”میں کیا کروں اب۔۔۔مجھے تو رانی سے بات کرنی تھی۔“

وہ بھی بھیڑ میں چلا آیا۔بہت سارے بچے اور بڑے بھی شامل تھے اس میلے میں۔

یہ میلا ہر سال لگتا تھا۔یہ میلا کسی بزرگ کی سالگرہ منانے کے لئے لگتا تھا جو کہ سالوں پہلے اللہ کو پیارے ہو چکے تھے۔

میلے میں آسمانی جھولا(giant wheel) کو دم کو دی، بڑی ہوائی کشتی، گھوڑوں والا چکر کاٹ اور بھی بہت سارے جھولے تھے۔

آگے چل کر کھلا سا راستہ تھا جہاں کھانے پینے کی دکانیں اور ریڑھیاں(carts) لگی ہوئیں تھیں۔

کہیں سے شربت کی مہک آ رہی تھی اور کہیں سے جلیبی کی۔

وہ آس پاس دیکھتا ہوا آگے بڑھ آیا۔رانی اسکی نظروں سے اوجھل ہو چکی تھی۔

اچانک جیسے وہاں دھواں سا اٹھا تھا۔اس نے اپنی آنکھوں سے رگڑا۔

وہ حوالات میں تھا۔ وہ قید میں تھا اور رانی اس دنیا کی قید سے آزاد ہو چکی تھی۔

لوگ سمجھتے ہیں موت زندگی کا اختتام ہے لیکن موت اس امتحان سے آزادی ہے۔ مرنے کے بعد انسان اسے مشکل امتحان سے آزادہ ہو جاتا ہے۔ رانی بھی ان مشکلات سے نکل چکی تھی۔ وہ اس زندگی سے آزادی تھی۔ وہ اب سکون میں تھی۔

—☆☆☆—

ایک نئی صبح زندگی میں نئے مسائل لاتی ہے۔ جہان کی زندگی بھی ایسی ہی تھی۔ وہ چاہتا تو ایک آسان اور سادہ سی زندگی چن سکتا تھا لیکن اس نے ایک مشکل زندگی کا انتخاب کیا۔ اس نے اپنی دنیا بنائی اور وہ اس دنیا کا بے تاج بادشاہ تھا۔ وہ کسی کو نقصان پہنچانے کے حق میں نہیں تھا لیکن ایک طرح سے وہ غلط کام ہی کر رہا تھا۔ اس نے گاؤں سے آنے کے بعد اپنی تعلیم شہر میں مکمل کی اور اپنے فلیٹ سے "جاسوس کمپنی" شروع کر دی۔ وہ ہمیشہ سے آرٹ کا شوقین تھا۔ کسی کا پیچھا کرنا اور اسے محسوس نہ ہونے دینا بھی اسکے آرٹ کا حصہ بن گیا۔ اس نے جرائم کی دنیا

میں اپنی کمپنی کا تعارف "Jahan and co" کے نام سے کروایا۔ وہ جہان عاکف ہے اب یہ ہر کوئی جانتا تھا لیکن وہ اس عام دنیا کے سامنے نہیں تھا۔ اس تک پہنچنے کے لئے آپ کا خود کا ایک مقام ہونا ضروری ہے۔

اس کی کلائنٹ لسٹ میں بڑے بڑے لوگ آچکے تھے۔ کافی عرصہ فلیٹ میں رہنے کے دوران اس نے اپنا ایک نام بنالیا تھا۔ اس نے شہر کے ایک کونے میں ایک بلڈنگ خریدلی۔ اس بلڈنگ میں بہت سارے کام ہوتے ہیں۔ یہاں نیچے پرائیویٹ کلب ہے اور اوپری منزلوں پر ہوٹل اور کمرے ہیں۔ اور سب سے اوپر عاکفس ہے۔ جہان عاکف کا اپنا آفس۔ اسکی ٹیم میں ملک کے بہترین لوگ شامل ہیں اور اسکا رابطہ ملک کے بڑے بڑے لوگوں کے ساتھ ہے۔

وہ کوئی غلط کام نہیں کرتا۔ وہ صرف جاسوسی کرتا ہے۔ خیر اب تو فیلڈ میں بھی نہیں جاتا۔ اسکے لئے اس نے بہت سارے لوگ رکھ لئے ہیں۔ وہ کبھی کبھی خود نکلتا ہے جاسوسی کے لئے اگر کیس بہت دلچسپ ہو تو ہی۔

ساغر صدیقی اسکے بہت خاص لوگوں میں سے ایک ہے۔ساغر جہان کو کیسے ملا یہ ایک الگ کہانی ہے اور وہ کہانی جہان کی نہیں ساغر کی ہے۔

ابھی کے لئے جہان کے گھر چلتے ہیں۔یہ گھر شہر کے سب سے مہنگے ٹاؤن " گرے ٹاؤن "میں بنا ہے۔

یہ گھر بہت زیادہ بڑا نہیں ہے۔وہ چاہتا تو ایک بڑا حویلی نما گھر بھی خرید سکتا تھا لیکن وہ اکیلا رہتا تھا تو اسے بڑے گھر کی ضرورت ہی نہیں تھی۔اس گھر میں تین بیڈ رومز،ایک کچن،ایک ڈی وی ہال،لونگ روم،ایک لائبریری جسے وہ ہاؤس آفس کے طور پر بھی یوز کرتا تھا۔لان کی دوسری طرف ملازمین کے لئے دو کواٹر تھے۔

یہ گھر ان گھروں میں سے تھا جو ٹاؤن نے پہلے سے بنا رکھے تھے لیکن ہر گھر ایک سے بڑھ کر ایک تھا اور ایک دوسرے سے الگ تھا۔شاندار،خوبصورت اور مہنگا۔

"عاکف ہاؤس "میں ایک بیس منٹ بھی تھی لیکن وہ استعمال میں نہیں تھی۔

گھر سفید، سیاہ اور سرخ رنگوں سے سجا ہوا تھا۔ سارے گھر کا فرنیچر اور ڈیکور انہی تین رنگوں پر مشتمل تھا۔ جہان نے خود اس گھر کا ڈیکور کیا تھا۔ آفٹر آل وہ ایک artist ہے۔ اتنا تو کرنا بنتا تھا۔ اس نے لونگ میں میں چار فٹ کی چوڑی اور چھے فٹ لمبی ایک پینٹنگ بھی بنا کر خاص طور پر لگائی تھی۔ یہ اسکی خود کی بنائی پینٹنگ تھی جو اس گھر کی زینت بنی۔ اس گھر میں اسکے ہاتھ سے بنی یہ اکلوتی پینٹنگ تھی۔ اب تو اس نے پینٹ کرنا بھی جیسے چھوڑ ہی دیا تھا۔

پینٹنگ بہت گہرے رنگوں سے بنی ہوئی تھی اور اس وقت کمرے میں روشنی کم ہونے کی وجہ سے سمجھ نہیں آرہی تھی کہ وہ کیا بنا ہوا ہے۔

جہان کے کمرے کی طرف آئیں تو وہ کمرے میں بنے بڑے سے واڈراپ میں تھا۔ یہ واڈراپ کمرے کی دیوار پر بڑا سا آئینہ لگتا تھا لیکن یہ شیشے کے دروازے تھے اور ان دروازوں کے پیچھے ایک کمرا تھا۔ کپڑوں والا کمرہ۔ جہاں اسکے کپڑے، جوتے اور باقی clothing items تھیں۔

وہ آج کے لئے کپڑے چن رہا تھا۔

اس کمرے میں بڑا سا بیڈ تھا اور واڈراپ بیڈ سے دائیں طرف تھا اور اس کے آگے سامنے کی طرف باتھ روم تھا۔

باہر بائیں دیوار کی طرف ایک شیشہ تھا۔ وہ قد آور سٹینڈ نگ شیشہ تھا اور اسکے ساتھ ایک چھوٹی سی میز تھی جس پر جہان کا فون اور گھڑی پڑی ہوئی تھی۔ میز کی دراز کھولیں تو اس میں مہنگی گھڑیوں کی کولیکشن تھی اور دوسری دراز میں کف ہولڈرز تھے۔

وہ کپڑے چن کر باہر نکلا۔ اس نے ڈھیلا سا نائٹ سوٹ پہنا ہوا تھا۔ وہ فریش ہونے کے لئے باتھ روم میں چلا گیا۔

اسکے ہاتھ میں شاید شلوار قمیض تھی۔ گہرے نیلے رنگ کی۔

سر اٹھا کر چھت کی طرف دیکھیں تو ساری سیلنگ mirrors کی تھی۔

جہان کے کمرے میں ایل سی ڈی نہیں تھی کیونکہ وہ کمرے کے aesthetics کو خراب کر دیتی۔

کمرے کی تھیم شاید شیشہ اور آئینہ تھی کیونکہ اس کمرے کو بہت سادہ ساڈیکوریٹ کیا گیا تھا لیکن یہ کمرہ گھر کا سب سے زیادہ خوبصورت حصہ محسوس ہوتا تھا۔

یہ کمرہ دوسری منزل پر بنا ہوا تھا۔ سیڑھیاں چڑھ کر اوپر آئیں تو سیڑھیوں کے سامنے دو کمرے تھے۔ ایک جو کہ بند تھا اور دوسرا کمرہ جہان کا تھا۔ گھوم کر دوسری طرف آئیں تو وہاں دو کمروں کے برابر ایک بڑا تھا جو کہ لائبریری تھی۔

جہان فریش ہو کر باتھ روم سے نکل آیا تھا۔ اس نے آج شلوار قمیض پہنی تھی۔ وہ شاید آج آفس نہیں، کہیں اور جا رہا تھا۔

گہرا نیلا رنگ اس پر سوٹ کر رہا تھا۔

قد آور آئینے کے قریب آیا۔ وہ بال باتھ روم سے سیٹ کر کے نکلا تھا۔

وہ اپنا چہرہ دیکھ رہا تھا اور مسکرا دیا۔

"تم ابھی بھی ہینڈسم ہو۔" وہ ہولے سے بولا اور مسکراہٹ غائب۔

وہ نیچے چلا آیا۔گھر میں تازہ لکڑی کی خوشبو پھیلی ہوئی تھی۔ کل ہی اس نے ایک دیوار پر لکڑی کا کام کروایا تھا۔وہ دیوار کچن کے سامنے تھی جو کہ پہلے سفید رنگ کی تھی۔ جہان نے اسے کالی لکڑی سے چھپوا دیا۔

"آپ کا ناشتہ بنا دوں۔" کچن سے ایک دبلہ سا لڑکا باہر نکلتا ہوا دکھائی دیا۔

"نہیں میں آج باہر ناشتہ کروں گا۔"

لڑکے نے ہلکا سا سر ہلایا اور باہر لان کی طرف نکل آیا۔کچن سے ایک دروازہ لان کو لگتا تھا۔

لان کی طرف آئیں تو ایک طرف باغیچہ تھا۔جس میں موسمی پھول لگے ہوئے تھے۔ان پھولوں کا خیال بھی جہان خود رکھتا تھا۔

واپس اندر آئیں جو جہان صوفے پر بیٹھا ہوا تھا۔اس نے ایل سی ڈی کے اوپر لگی گھڑی کو ایک نظر دیکھا۔وہ دس بجانے والی تھی۔

اس نے ایک طرف پڑا اپنا موبائل دیکھا۔اسے کال آنے والی تھی۔

ایک اہم کال۔

—☆☆☆—

مون کیفے میں روز کی طرح کافی رونق تھی۔کچھ لوگ اپنی کافی کا انتظار کر رہے تھے اور کچھ بیٹھے کپ کیکس اور چائے،کافی سے لطف اندوز ہو رہے تھے۔

اس شہر کی سب سے اچھی کافی مون کیفے سے ملتی ہے۔یہ بہت سارے لوگوں کا بیان تھا اور شاید یہ سچ بھی تھا۔

چائے البتہ یہاں averageہی تھی لیکن قابل قبول تھی۔

کیفے کا دروازہ کھلا اور تنزیلہ اندر آتی ہوئی دکھائی دی۔اس نے گلابی رنگ کی پیروں تک آتی قمیض پہن رکھی تھی اور نیچے سفید کھلا سا پلازو پہنا ہوا تھا۔اس کے گلے میں چھوٹا سا سٹالر تھا اور ایک بازو پر سیاہ ہینڈ بیگ لٹک رہا تھا۔تنزیلہ لمبی ہیل پہنے نزاکت سے چلتی ہوئی کاؤنٹر تک آئی۔

”تنزیلہ میم آپ۔“کاؤنٹر پر ایک نوجوان لڑکا کھڑا تھا۔سترہ اٹھارہ برس کا۔

”سیم میرے لئے ایک چائے کا اچھا سا کپ بنا دو اور ساتھ ڈرائے کیک بھی بھیج دینا۔“

سیم نے آرڈر سمجھ کر سر ہلایا۔

تنزیلہ قدم قدم چلتی ایک طرف چلی آئی۔یہ کیفے کی سب سے خاموش سائیڈ تھی۔

وہ میرب سے ملنے آئی تھی۔وہ دونوں ایک ساتھ بھی آسکتے تھے لیکن تنزیلہ کو پہلے کہیں جانا تھا اس لئے وہ گھر سے پہلے نکلی تھی اور میرب سے پہلے کیفے بھی پہنچ گئی تھی۔

وہ اب وہاں بیٹھ کر میرب کا انتظار کرنے لگی۔نا جانے میرب نے کونسی اہم بات کرنی تھی۔

کیا آپ نے کبھی سوچا ہے کہ میرب ہماری کہانی کی ایک عجیب کردار ہے۔ وہ وقت کے ساتھ بدلتی ہے اور سیکھتی ہے۔ وہ عام انسانوں کی طرح غلطیاں بھی کرتی ہے اور پھر انہیں فکس کرنے کی کوشش بھی کرتی ہے۔ میرب کی کہانی کی شروعات چاہے اتنی خاص نہ رہی ہو لیکن وہ ہماری کہانی کا ایک اہم کردار ہے۔

اس کی کہانی ہماری کہانی کے بہت سے کرداروں سے جڑی ہوئی ہے۔

سیم نے تنزیلہ کی چائے اور کیک میز پر رکھ دیا۔ تنزیلہ موبائل پر کچھ دیکھ رہی تھی۔

اس کیفے کا ماحول اسے ہمیشہ سکون دیتا تھا۔ یہ اسکی کمفرٹ پلیس تھی۔

"تنو۔" میرب کے منہ سے یہ نام تنزیلہ کو کچھ عجیب ہی لگا تھا۔

میرب اسکے سامنے بیٹھ چکی تھی۔ وہ بھی مسکرا دی۔

"میرب۔۔۔" شاید وہ کہنا چاہتی تھی کہ وہ اسے "تنو" کہہ کر مت بلائے لیکن وہ بول نہ سکی۔

وہ میرب کا دل نہیں توڑنا چاہتی تھی۔ وہ اب اسکی زیادہ فکر کرنے لگی تھی۔

تنزیلہ نے سیم کو اشارے سے بلایا۔

"کیا لو گی تم۔" میرب نے ایک نظر دبلے پتلے سے لڑکے کو دیکھا۔

"کیسے ہو سیم۔۔۔" وہ مسکراتے ہے بولی۔ "چائے لے آؤ پلیز۔"

سیم کو تو ہر کوئی جانتا تھا۔

وہ سر ہلاتا ہوا کچن کی طرف بڑھ گیا۔

"مجھے ایک بہت اہم بات آپ کو بتانی ہے اور میں چاہتی ہوں آپ میری مدد کریں۔"

تنزیلہ سیدھی ہو کر بیٹھ گئی۔

"یہ جو بات میں آپ کو بتانے والی ہوں۔۔۔ میں چاہتی ہوں یہ آپ کسی کو مت بتائیں۔"

تنزیلہ نے سپاٹ چہرے سے اسے دیکھا۔ اسکے چہرے پر کوئی رد عمل نہیں تھا۔

شاید میرب کوئی بچکانہ بات کرنے والی تھی۔

''آیان رضا۔۔۔وہ۔۔۔وہ ایک کریمنل ہے۔'' وہ ٹھہر ٹھہر کر بول گئی۔

تنزیلہ نے ایک نظر اسے دیکھا اور پھر کپ لبوں سے لگایا۔

تنزیلہ کچھ نہ بولی۔

''آپ کی طرف سے مجھے اتنے ٹھنڈے ری ایکشن کی توقع نہیں تھی۔''

''میں جانتی ہوں۔''

''کیا۔۔۔''لاشعوری طور پر وہ ذرا اونچا بولی، بلکہ چلائی تھی۔

تنزیلہ نے جیسے میرب کے سر پر ایٹم بم سے دھماکہ کیا تھا۔

وہ سب کچھ جانتی ہے۔کیسے؟

''آپ کو کیسے پتا۔''

سیم میرب کے سامنے چائے کا کپ رکھ رہا تھا۔

اس نے ایک نظر میرب کو دیکھا۔ وہ واپس جاتے ہوئے بہت سست رفتاری سے گیا تھا۔

میرب نے آس پاس دیکھا اور کرسی کو کھسکا کر تنزیلہ کی کرسی کے قریب کیا۔

اب وہ بالکل ہولے سے بول سکتی تھی۔

”اس نے تہہ خانہ بنا رکھا ہے۔ جہاں وہ لوگوں کو ٹارچر کرتا ہے۔۔۔ اللہ!“ اس نے جیسا آخر میں آسمان کو دیکھ کر صدا لگائی تھی۔

چھت پر چمکتا جھومر دیکھ وہ واپس تنزیلہ کی طرف ہو گئی۔

”میرا منگیتر جرائم میں شامل ہے۔ وہ اچھا انسان نہیں ہے۔“

تنزیلہ خاموشی سے بیٹھی اس معصوم لڑکی کی اوور ایکٹنگ دیکھ رہی تھی۔

”تم کونسا کسی سے کم ہو۔“ تنزیلہ بولی۔ وہ صرف اسکا موڈ ٹھیک کرنا چاہتی تھی۔

”میں تو اب بدل چکی ہوں۔ اور اگر میں نے سب کی ناک میں دم کر رکھا بھی تھا تو بس وہ دم کی حد تک تھا۔“ میرب نے کپ سے ایک سپ لی۔

اور مسکرائی۔ جیسے اس نے کبھی کسی کو جان بوجھ کر تنگ کیا ہی نہ ہو۔

''اوخدایا بنا چینی کے چائے۔''

اس نے سیم کو اشارہ کیا۔ وہ بھاگ کر انکے میز پر آیا۔

میرب نے چینی مانگی۔ وہ سن کر واپس چلا گیا اور چینی کے کیوبس لے آیا۔

''جاؤ۔'' میرب نے اسے پاس کھڑا دیکھا تو بولی۔

سیم سست روی سے چلتا ہوا کاؤنٹر تک آیا۔ اس کی نظر مسلسل میرب اور تنزیلہ کی میز کی طرف تھی۔

''میں تو بس تھوڑی spoiled تھی لیکن آیان تو پروفیشنل مجرم ہے۔''

''تم یہ سب کیسے جانتی ہو۔'' تنزیلہ نے پہلا سوال کیا تھا اور ابھی اسے بہت سارے سوال کرنے تھے۔

''میں۔۔۔ میں نے۔۔۔''

''تم نے اسکی جاسوسی کروائی ہے۔'' تنزیلہ نے اسکے لئے آسانی کی۔

"جی کروائی ہے۔" وہ مان گئی۔

باہر موسم ٹھنڈا ہو رہا تھا اور بادل آسمان میں تیرتے ہوئے دوسرے شہر جا رہے تھے۔

یا ہو سکتا ہے بادل اس شہر پر برستے ہوئے جائیں۔

—☆☆☆—

جہان لونگ روم میں بیٹھا بادام کھا رہا تھا۔ جب اسکے موبائل کی گھنٹی بجی۔

سکرین پر زیب کا نام جگمگاتا دیکھ وہ بدمزہ ہوا۔

اسے کسی اور شخص کے کال کی توقع تھی نا کہ زیب کی۔

وہ بدمزہ تو چکا تھا ہی اس نے سوچا کیونکہ اب کال اٹھا بھی لی جائے۔

اس نے کال اٹھا کر موبائل کان سے لگایا۔

"اب بولو گے بھی یا نہیں۔" اس نے فون کو کال سے لگایا تو دوسری طرف بھی خاموشی تھی۔

''ایک خبر ملی تھی۔ میں نے سوچا آپ کو بتادوں۔'' زیب کی آواز اسے سنائی دی۔

''میں نے کل تک مر نہیں جانا تھا جو تم نے مجھے کال کردی۔ کاٹو فون۔'' جہان کا موڈ خراب ہو چکا تھا۔

اس جس کال کا انتظار تھا۔ وہ کال آج نہیں آئی تھی۔

وہ اٹھا اور کچن کی طرف چلا آیا۔ وہ اپنے لئے ناشتہ بنانے لگا۔

ایک طرف اس نے چائے کا پانی چڑھا دیا اور دوسری طرف وہ انڈے ابالنے لگا۔

اس نے ڈبل روٹی کو ٹوسٹر میں ڈالا اور مکھن نکال کر ایک طرف رکھ دیا۔

اس نے چائے کے پانی میں پتی ڈالی اور پتی نے فوراً نے اپنا رنگ چھوڑنا شروع کر دیا۔

اس نے اکتاتے ہوئے کچن میں لگی گھڑی کو دیکھا۔

—☆☆☆—

یہ انتظار ہماری زندگیوں کا ایک اہم حصہ ہے۔ ہم اچھے وقت کا انتظار کرتے ہیں۔ ہم کسی کی کال کا انتظار کرتے ہیں۔ ہم چولہے پر رکھی چائے کے پک پک کر بہترین بن جانے کا انتظار کرتے ہیں۔ ہم انتظار کرتے ہیں کے کب ہمارے محبوب کے دل میں ہمارے لئے ہم جیسی محبت ہو۔ ہم انتظار کرتے ہیں سزا ختم ہونے کا اور انتظار کرتے ہیں انتقام لینے کے لئے۔ ہم کبھی اچھے موسم کا انتظار کرتے ہیں تو کبھی بارش کے بعد کی ٹھنڈی دھوپ کا۔ یہ انتظار تو سب کو کرنا پڑتا ہے اور یہ انتظار کا وقت دولت سے کاٹا نہیں جا سکتا۔ اسے پل پل ایک ایک لمحہ تکلیف سے گزار کر کاٹنا پڑتا ہے۔ یہ وقت اور انتظار یہ دونوں پرانے ساتھی ہیں۔ یہ انتظار بہت تکلیف دہ ہے اور وقت جب دھیما ہو جائے اور دنیا تھم سی جائے تو ہماری جان نکلتی ہے۔ اس ایک لمحے کو ترستی ہے کہ ہماری سزا، ہمارا انتظار ختم ہو اور ہمیں سکون ملے۔

علی بھی انتظار میں تھا کہ کب اسکا امتحان ختم ہو۔ کب اسے معافی ملے اور کب وہ اپنی غلطی کا کفارہ کرے۔

وہ اپنے کمرے میں لیٹا ہوا تھا۔ آج اسکی صرف ایک کلاس تھی جو کہ شام کو ہونی تھی۔

وہ ڈھیلی ڈھالی شرٹ اور ٹراؤزر میں پر سکون ہو کر لیٹا تھا۔ وہ چھت کو دیکھ رہا تھا۔۔۔ نہیں اسکی آنکھیں چھت کی طرف تھیں لیکن وہ دیکھ کچھ اور رہا تھا۔ وہ یادوں میں گم تھا۔

یہ یادیں ہمارا پیچھا کیوں نہیں چھوڑ دیتیں تا کہ ہمارا انتظار ختم ہو اور ہمیں سکون مل جائے۔

ایک دم جیسے اسے کچھ یاد آیا۔ وہ چھلانگ لگا کر اٹھ بیٹھا۔

اس نے ایک طرف پڑا اپنا موبائل نکالا اور کسی کا نمبر کھول کر میسج ٹائپ کرنے لگا۔

اس نے دو تین میسج بھیجے اور اٹھ کر الماری سے کپڑے نکالنے لگا۔اسے کہیں جانا تھا۔

اس نے کپڑے نکالے اور باتھ روم میں گھس گیا۔

باہر موسم پیارا سا تھا۔

—☆☆☆—

صلومی کمرے کی ایک طرف رکھے صوفے پر بیٹھی ہوئی تھی جبکہ کمیل بیڈ پر کے کنارے بیٹھا کسی کا میسج پڑھ رہا تھا۔

صلومی سفید اور پیلے رنگ کے کرتے میں ملبوس تھی اور کمیل نے گہرے سرخ اور سفید رنگ کا ٹریک سوٹ پہنا ہوا تھا۔

اسکا ارادہ ہوٹل جم یوز کرنے کا تھا۔

صلومی اپنے ناخنوں کو دیکھ رہی تھی جن پر گلابی نیل پالش لگی ہوئی تھی۔

"کمیل ہم گھر کب جائیں گے۔"

کمیل ابھی تک موبائل میں گم تھا۔

صلومی پھر سے بولی اس بار آواز ذرا اونچی تھی۔

کمیل نے آنکھیں اوپر کر کے اسے دیکھا۔ صلومی ذرا شرمندہ سی ہو گئی۔

کمیل اٹھ کر اسکے قریب چلا آیا۔

وہ نرم سے کارپٹ پر بیٹھ گیا۔ صلومی اسے نیچے بیٹھتا دیکھ بولنے لگی لیکن کمیل نے اسے خاموشی سے بیٹھ جانے کا اشارہ کیا۔ وہ صوفے پر تھی اور وہ اسکے پاس زمین پر۔

”تمہیں پتا ہے صلومی میں محبت کرنے سے ڈرتا تھا۔“

وہ سامنے دیکھ رہا تھا اور صلومی اسکے چہرے پر غور کر رہی تھی۔

کمیل کو اس نے ہمیشہ مسکراتے ہوئے دیکھا تھا یا سنجیدہ۔ یہ اداسی اس نے پہلی دفعہ محسوس کی تھی۔

”میں ڈرتا تھا کہیں مجھے کسی سے محبت ہو گئی تو میں کمزور پڑ جاؤں گا۔“

(بدلہ لینے والے محبت نہیں کرتے۔اس کے دل نے اسے سمجھایا تھا۔لیکن اسے محبت ہو چکی تھی۔اسکے دل کا اسے یوں سمجھانا بے کار تھا۔)

محبت ہمیں کمزور بنا دیتی ہے۔ہمیں خود کا خوف نہیں ہوتا،ہمیں انکی فکر ہوتی ہے جن سے ہم محبت کرتے ہیں۔

"میں نے خود کو روکا،بہت روکا۔" کمیل جیسے اداس تھا۔

صلومی کا دل تیزی سے دھڑکا۔

"کیا آپ شادی کر کے پچھتا رہے ہیں۔"

کمیل نے مڑ کر اسے ناراضگی سے دیکھا۔

"ہاں۔۔۔"وہ شرارت سے بولا اور مسکرا دیا۔

صلومی پھیکا سا مسکرا دی۔

کمیل دوبارہ سے سامنے دیوار پر لگی تصویر کو دیکھنے لگا۔وہ سمندر کی تصویر تھی۔

خاموش سمندر کی۔

کمیل نے صلومی کا ہاتھ پکڑا اور اپنے سینے تک لے آیا۔

”جب امی ابو فوت ہوئے تو مجھے سب سے زیادہ کمی محبت اور اپنائیت کی ہوئی۔ دادا جان تو پہلے ہی چل بسے تھے اور تم لوگ بھی بہت عرصہ پہلے علیحدہ ہو گئے تھے۔ تائی اور تایا تو مجھ سے سیدھے منہ پلاتے تک نہ تھے۔ اور آیان وہ بھی بدل گیا۔ ہماری دوستی پتا نہیں کب ختم ہو گئی۔“

”کیا ہوا تھا۔۔۔ یہ سب کیسے ہوا۔“ صلومی نے آخر پوچھ ہی لیا یہ سوال۔ وہ کل شام سے اسی بارے میں سوچ رہی تھی۔

”وقت آنے پر بتا دونگا ابھی اس بات کو رہنے دیتے ہیں۔“ کمیل اسکی طرف مڑا۔ اس نے اپنا سر صلومی کے گھٹنوں پر رکھ دیا۔

صلومی نے محبت سے اسکے بالوں میں ہاتھ پھیرا۔

”آپ مجھ سے محبت کرتے ہیں۔“ یہ سوال تھا یا وہ پکا کر رہی تھی سمجھ نہیں آئی۔

"تمہیں چاہے چائے نہیں بنانی آتی لیکن میں تمہارے ساتھ خوش رہتا ہوں۔" وہ بولا۔ "اینڈ آئی لو یو سو مچ۔"

"میٹھی باتیں کرنا کوئی آپ سے سیکھے۔ ویسے چائے کا نام لیا ہے تو دو کپ بنا ہی لیں۔" وہ بھی اسی کے انداز میں بولی۔

"تھوڑی دیر بیٹھنے دو ایسے پھر بنا دیتا ہوں۔ اور ہاں ہم جلد ہی اپنے گھر میں شفٹ ہو جائیں گے۔" کمیل نے بچوں کی طرح ضدی انداز میں کہا۔

صلومی محبت سے اسکے بالوں میں ہاتھ پھیرنے لگی۔

کافی دیر بعد بھی جب کمیل کچھ نہ بولا تو اس نے اسے پکارا۔

وہ شاید سو گیا۔

صلومی نے اسے جگایا نہیں اور محبت سے اسے دیکھنے لگی۔

وہ ہمیشہ ناولز میں پڑھتی تھی کہ ایک ہینڈسم ہیرو ایک معصوم لڑکی کی زندگی میں آتا ہے اور ان دونوں کو محبت ہو جاتی ہے۔

اسے یہ بھی پتا تھا کہ اصلی دنیا ناولز جیسی نہیں ہوتی لیکن اس کے لئے حقیقت، ناولز سے بھی اچھی ثابت ہوئی تھی۔ کمیل کوئی عام ساہیرو نہیں تھا وہ اسکی پہلی اور آخری سچی محبت تھا۔ایک سچا ساتھی جو اسے بہت محبت کرتا تھا۔

—☆☆☆—

"اب کیا کرو گی تم۔" تنزیلہ بولی۔اس کے لہجے میں ایک ٹھہراؤ تھا۔

"یہی تو میں آپ سے مشورہ کرنے آئی ہوں۔" میرب کندھے اچکا کر بولی۔

"میں یہی مشورہ دوں گی کہ کوئی بہانہ کر کے منگنی ختم کر دو۔"

میرب خاموش رہی۔

"کیونکہ اگر سچ کو سامنے لا کر منگنی توڑو گی تو ہو سکتا ہے آیان تمہیں نقصان پہنچانے کی کوشش کرے۔ بہتر یہی ہے کہ کسی طرح اس منگنی کو ختم کر دو اور آیان کو اپنی زندگی سے نکال دو۔"

"اور وہ جو جرائم کر رہا ہے۔ان کا کیا۔"

"وہ ہمارا مسئلہ نہیں ہے۔"

"لیکن۔۔۔"

وہ مزید کچھ بولتی تنزیلہ نے اسے ٹوکا۔ "لیکن کی گنجائش نہیں ہے۔ تم اپنی فکر کرو۔ وہ کیا کرتا ہے یہ اسکا مسئلہ ہے۔"

تنزیلہ ایک پل کو رکی۔ چائے کا ایک سپ لیا اور بولی۔ "ایموشنلی نہیں حقیقت پسند بن کے سوچو اور اس سے بڑھ کر اپنا سوچو۔"

میرب سوچنے لگے۔

'کاش میں جذباتی ہونے کے بجائے اچھے سے سوچ کر اس رشتے کو قبول کرتی۔' وہ دل میں سوچ رہی تھی۔ 'میں نے علی سے بدلا لینے اور اسکا دل جلانے کے لئے منگنی تو کرلی لیکن یہ منگنی عذاب بننے والی ہے۔'

میرب کو شاید اب احساس ہو رہا تھا کہ اس نے علی کے ساتھ غلط کیا تھا۔

زندگی میں جلد بازی سے کیئے گئے کئی فیصلے اکثر غلط ثابت ہوتے ہیں۔اور ہم ان فیصلوں پر ساری زندگی پچھتاتے ہیں۔اسی لئے تو کہتے ہیں کہ سوچ سمجھ اور وقت لے کر فیصلہ کرنا چاہیے۔

"کیا سوچ رہی ہو۔" تنزیلہ بولی۔

"کچھ نہیں تنو۔۔۔" وہ بے خیالی سے بولی۔

تنزیلہ کو "تنو" سن ساغر کی یاد آئی تھی۔وہ اسے بھولی ہی کب تھی۔

انسان خود سے ہی جھوٹ بولتا ہے کیونکہ وہ محبت کرنے والے کو نہیں بھولتا، صرف یاد کرنا چھوڑ دیتا ہے۔

تنزیلہ اسے بھولی نہیں تھی لیکن اب اسکی زندگی میں ساغر کے لئے کوئی جگہ نہیں بنتی تھی۔

وہ شادی شدہ تھی۔

اس نے سامنے بیٹھی میرب کو دیکھا۔میرب گہری سوچ میں گم بیٹھی تھی۔

میرب کو جیسے کچھ یاد آیا۔

"تنزیلہ۔۔۔ کیا آیان کا باپ ہمارے گھر آیا تھا۔"

"نہیں۔ لیکن تمہارے بابا بات کر رہے تھے۔ آیان کے فادر شادی کی ڈیٹ فکس کرنے آنے والے تھے لیکن پھر نہیں آسکے۔" وہ یاد کرتے ہوئے بولی۔ "اگلے ہفتے آئیں گیں۔"

ایک ہفتہ، میرب کے پاس ایک ہفتہ تھا۔

—☆☆☆—

احسان حوالات میں بند تھا اور دوسری طرف اسکا باپ بھی۔

اس نے مٹیار گل کو ان سے سوال پوچھتے ہوئے سنا تھا۔ کیا اسکا باپ بھی اس قتل میں شامل تھا۔

وہ ٹھنڈی لوہے کی سلاخوں سے ٹیک لگا کر بیٹھ گیا۔

اس نے تکلیف سے آنکھیں بند کر لیں۔ نا جانے رانی کے ساتھ کیا کیا ظلم ہوا تھا۔

اس کی لاش کو تو اس کے گھر والوں نے کسی کو ٹھیک سے دیکھنے نہ دیا تھا۔ وہ آخری بار اسے دیکھ تک نہ سکا تھا۔

اسے یاد ہے رانی کچھ دن سے پریشان تھی۔ اسے بہت کچھ یاد آرہا تھا۔ اسکے ساتھ گزارے لمحے اور وہ خواب۔

وہ خواب اشارہ تھا۔

کبھی کبھی ہمیں ایسے خواب آتے ہیں جو ہمیں کسی خوشی یا کسی غم کی وارننگ دے رہے ہوتے ہیں۔ ہم ان حادثوں کو روک تو نہیں سکتے لیکن ہم ذہنی طور پر تیار ضرور ہو جاتے ہیں۔

اس نے تکلیف سے آنکھیں بند کر لیں۔

اندھیرا۔

بادل۔

بارش۔

سہ گوش
(از زین علی)

ان دنوں بہت تیز بارش ہو رہی تھی۔ بادل جیسے صرف اسی شہر اور گاؤں پر برسنے آئے تھے۔

شام کا وقت تھا اور احسان کمرے میں بیٹھا احسن کے ساتھ ٹی وی دیکھ رہا تھا۔ بارش کی وجہ سے کیبل بہت خراب آ رہی تھی۔ ٹی وی پر چہروں سے زیادہ سلیٹی دانے ناچتے ہوئے دکھائی دے رہے تھے۔

احسان منہ بنا کر بیٹھا ہوا تھا جبکہ احسن اپنا ہوم ورک کرنے کے بعد کوئی ہندوستانی فلم دیکھ رہا تھا۔

احسان دیوار سے ٹیک لگا کر چارپائی پر بیٹھا تھا اور اسکا چھوٹا بھائی زمین پر چھٹائی بجا کر ٹی وی کے سامنے بیٹھا تھا۔ وہ ہنس ہنس کر فلم سے لطف اندوز ہو رہا تھا۔

احسان کچھ سوچ رہا تھا۔

رانی کی اس سے لڑائی ہوئی تھی۔

مریم نے ان دونوں کو لڑائی کرتے ہوئے دیکھا بھی تھا۔

ناجانے مریم کیا سمجھ رہی ہو گی۔

اسے رانی سے بات کرنی چاہیے۔

اندھیرا۔

بادل۔

بارش۔

احسان حوالات میں بند تھا۔اسے ٹھنڈی سلاخیں محسوس ہوئیں۔

اسے اس بات کا بھی غم تھا کہ وہ آخری بات رانی سے بات نہیں کر سکا۔اس سے معافی نہیں مانگ سکا۔وہ آخری بار محبت سے بات بھی نہ کر سکا۔

ہمیں اپنی غلطیوں کی معافی وقت رہتے مانگ لینی چاہیے ناجانے زندگی کب رخ موڑلے اور ناجانے پھر موقع ملے نہ ملے۔

اس نے افسوس سے آنکھیں کھولیں۔اس کی آنکھوں سے گرم پانی بہنے لگا۔

لیکن لڑائی کیوں ہوئی تھی۔

اسے شازیہ بیگم کا ہار یاد آیا۔ وہ خالص سونے کا ہار۔

اس ہار کی کہانی بھی اپنے وقت پر کھلے گی۔

—☆☆☆—

کمیل کی اچانک آنکھ کھلی۔ صلومی بھی ٹیک لگا کر سو گئی تھی۔

وہ کھڑا ہوا اور اس نے صلومی کے پیر صوفے پر سیدھے کر دیے۔

اس نے اپنا موبائل پکڑا اور بیڈ کی طرف چلا آیا۔

اسے ساغر کو کال کرنی تھی۔ اسے جہان کے آفس جانا ہی تھا۔

وہ اس کے کام کا شخص تھا۔ اسے کسی نہ کسی طرح وہاں نوکری لینی تھی تاکہ وہ اپنا مقصد پورا کر سکے۔

کمیل آخر کیا گیم کھیل رہا تھا۔ وہ چپ چاپ کچھ بہت بڑا اور اہم پلان کر رہا تھا۔

اس نے ساغر کو کال ملائی۔

"کیسے ہو یار۔" کمیل گرم جوشی سے بولا تھا۔

Fiction Shelve

''لڑکی کے آتے ہی دوست کو بھول گئے۔۔۔ ہم نے کیسا ہونا ہے تم بتاؤ۔'' ساغر بھی مذاق کے موڈ میں تھا۔

وہ کبھی کبھی تو یوں اچھے موڈ میں ہوتا تھا۔

''میں ٹھیک ہوں۔'' کمیل ہنسا۔ ''کیا یار تیری شادی نہیں ہوئی نہ اس لئے نہیں پتا تجھے۔ شادی شدہ انسان کے سو کام ہوتے۔''

اس نے ایک نظر صلومی کو دیکھا۔ اسے چائے یاد آتی۔ صلومی نے چائے کا بولا تھا۔

''چھوڑ یار۔۔۔ اور بتا۔''

''میں نے تمہیں ایک کام کہا تھا کافی عرصہ پہلے۔'' کمیل ذرا سنجیدہ ہوا۔

''کمیل۔۔۔ مجھے پتا ہے تمہیں جاب کی ضرورت نہیں ہے۔۔۔ تم مجھ سے ملو مجھے کچھ بات کرنی ہے۔'' ساغر بھی سنجیدگی سے بولا۔

''اچھا کل شام ملیں پھر۔''

''ہاں تم مون کیفے آجانا۔'' ساغر نے پتا بتا دیا۔

کچھ دیر اور ادھر اُدھر کی باتیں کرنے کے بعد کمیل نے خدا حافظ کہہ کر کال بند کر دی۔

یہی وقت تھا ساغر کو سچ بتا کر اپنے اس مقصد میں شامل کرنے کا۔

اسے بدلہ لینا تھا لیکن وہ پوری بات کسی کو نہیں بتا رہا تھا۔ اب اسے بتانی تھی اور وہ جانتا تھا ساغر اسکی مدد ضرور کرے گا۔

اس نے ایک نظر صلومی کو دیکھا۔ وہ اٹھ کر اسکے قریب گیا اور اسے نرمی سے ہلا کر بولا۔

''صلومی اٹھ جاؤ۔ شام ہونے والی ہے۔ شام کی اذان کے وقت نہیں سوتے۔''

صلومی پہلی آواز میں ہی اٹھ گئی۔

''چائے بنالیں میں فریش ہو جاتی ہوں۔''

''او کے مہارانی صاحبہ۔'' کمیل نے ہلکا سا سر جھکا کر ادب سے کہا اور پھر مسکرا دیا۔

صلومی بھی مسکرادی۔ کتنا کیوٹ ہے کمیل۔ اس نے سوچا تھا۔

وہ ایک طرف بنے چھوٹے سے کچن کی طرف بڑھ گیا اور وہ کپڑے نکال کر باتھ روم میں۔

کمیل محبت سے چائے بنانے لگا۔ اسے صلومی کے لئے پہلی بار چائے بنانا یاد آیا۔

اس یاد آیا وہ کس طرح روز درخت کے سائے تلے بیٹھ کر چائے پیتے تھے اور اب وہ اسکی ہو چکی تھی۔

پہلے اظہار اس نے کیا تھا۔

لیکن محبت پہلے کمیل کو ہوئی تھی۔

ہم کسی کو ایک نظر میں پسند تو کر لیتے ہیں لیکن محبت ہونے میں وقت لگتا ہے۔ ایک دوسرے کو جان کر ہی ہم محبت کے اس میٹھے جال میں پھنستے ہیں۔

—☆☆☆—

علی تیار ہو کر ہاسٹل سے باہر نکل آیا تھا۔ اس نے ساغر کو کال کی۔ علی چاہتا تھا کہ وہ اسکے ساتھ اسکے گاؤں جائے۔

ساغر نے پہلے انکار کر دیا لیکن بعد میں وہ علی کی ضد کی وجہ سے مان گیا۔

ویسے ساغر کا فائدہ ہو گیا وہ خود اسے ساتھ لے کر جا رہا تھا ورنہ اسے اسکا پیچھا کرنا پڑتا۔

ساغر کا انکار تو بہانہ تھا ورنہ وہ اندر ہی اندر خوش تھا۔

ساغر تیار ہو کر اسکے ہاسٹل پہنچ چکا تھا۔

"میں نے گاؤں سے ڈرائیو کو بلا لیا ہے۔ وہ گاڑی لے کر آتا ہی ہو گا۔ جب تک وہ آتا ہے چلو ہم چائے پی لیتے ہیں۔" علی بولا۔

ساغر نے اپنی بائیک ہاسٹل کی پارکنگ میں کھڑی کر دی اور اسکے ساتھ چل دیا۔

ہاسٹل کے سامنے ایک چھوٹی سی دکان تھی۔ جہاں بہت سارے لوگ ٹی وی پر کرکٹ کا کوئی پرانا میچ دیکھتے ہوئے چائے پی رہے تھے۔

وہ بھی ایک بینچ پر بیٹھ گئے۔ علی کے ہاتھ کے اشارے سے دو کپ چائے کا اشارہ کیا۔

’’ساغر تم کام کس کمپنی میں کرتے ہو۔‘‘

ساغر یہی ایک سوال علی کے منہ سے نہیں سننا چاہتا تھا۔

’’میں لاہور میں ایک سوفٹ ویئر کمپنی میں کام کرتا ہوں۔ آج کل ورک فرام ہوم والے سسٹم کا حصہ بنا ہوا ہوں۔‘‘

جھوٹا کہیں کا۔

علی نے سمجھتے ہوئے سر ہلایا۔

’’تم بتاؤ تمہارا گاؤں کیسا ہے۔‘‘ ساغر نے بات بدلنا چاہی۔

’’بہت خوبصورت ہے۔ تم دیکھو گے تو تمہیں بہت پیارا لگے گا۔‘‘ علی فخریہ بولا۔

’’اور تمہیں میرے جڑواں بہن بھائی پسند آئیں گے۔‘‘ علی مسکرایا۔

’’تمہارے جڑوان بھائی بہن ہیں۔‘‘

ساغر یہ پہلے سے جانتا تھا لیکن پھر بھی اداکاری کر رہا تھا۔

لیکن اس سب کچھ میں صرف وہی تھا جو جہان چاہتا تھا کہ ساغر جانے۔

جہان اور اسکی مائینڈ گیمز سے کوئی نہیں بچ سکتا ساغر جیسا شاطر مخبر بھی نہیں۔

ایک لڑکا دو چائے کے کپ انکے سامنے رکھ گیا۔

علی اسے اپنے گاؤں کے بارے میں بتانے لگا اور ساغر خاموشی سے سننے لگا۔

ساغر نے آج صبح زیب کو وہ ساری تصویریں ای میل کر دی تھیں جو اس نے اس رات علی کے کمرے کی اتاری تھیں۔

ساغر نے ہمیشہ دور سے ہی جاسوسی کی تھی۔اس بار اسے یوں دوستی کر جاسوسی کرنا برا لگ رہا تھا۔

علی اسے اپنا مخلص دوست سمجھ رہا تھا جبکہ ساغر دوستی کو صرف اپنے مطلب کے لئے یوز کر رہا تھا۔

"اسکا دل پہلے ہی ٹوٹا ہوا ہے تم مزید مت توڑنا۔"ساغر کے دل کی پکار تھی یہ۔

"تم ٹوٹے دلوں کا درد سمجھتے ہو۔"

ساغر کو جیسے کچھ یاد آیا تھا۔

علی مسلسل بول رہا تھا لیکن اب اسکی آواز جیسے کہیں دور سے آ رہی تھی۔

ساغر کو تنزیلہ یاد آئی تھی۔ سرخ اور سفید شلوار قمیض پہنے وہ اسے محبت سے دیکھتے ہوئے دکھائی دی۔

"ساغر۔۔۔ ساغر۔۔۔" علی کی آواز نے اسے خیالوں سے نکالا۔ "چائے پی لو ٹھنڈی ہو رہی ہے۔۔۔ ویسے کیا سوچ رہے تھے۔"

ساغر نے گم صم نظروں سے علی کو دیکھا۔

"زمان۔۔۔ وہ۔۔۔" ساغر کا دل کیا کہ اسے سب کچھ بتا دوں۔

"چھوٹے صاحب۔" یہ ڈرائیور کی آواز تھی۔

علی کا دھیان اس طرف ہو گیا۔ ساغر کی بات ادھوری رہ گئی تھی۔

"میں اسے مناسب وقت دیکھ کر سب کچھ بتا دوں گا۔" ساغر نے خود سے عہد کیا۔

"بتا دینا ورنہ ایک دوست کو کھو دو گے۔" دل کی آواز مدھم ہو گئی۔

”یہ مارا اچھا کا!“ کسی آدمی نے چیخ کر نعرہ لگایا اور سارے مرد خوش ہو کر تالیاں بجانے لگے۔

”چلیں۔“ علی نے آواز لگائی اور ہاتھ سے اشارہ کیا۔

ساغر قدم قدم چلتا اسکی طرف بڑھ گیا۔

زمان علی مسکرا دیا۔

ساغر جلد ہی اسے سب بتا دے گا۔ یہ اسکا ارادہ تھا۔ کیا یہ ارداہ اتنی آسانی سے پورا ہو جائے گا؟

—☆☆☆—

ہر راز اپنے وقت پر کھلتا ہے اور ہر راز کے پیچھے ایک کہانی ہوتی ہے۔

یہ کہانی اس دن کی ہے جب رانی کا قتل ہوا۔

رانی کافی دن سے پریشان تھی۔ہار کی وجہ سے احسان اور اسکی لڑائی ہوئی تھی اور دوسری طرف چودھری کے دو ملازم آتے جاتے اسے گندی نگاہ سے دیکھنے لگے تھے۔

یہ دونوں ملازم شوقا اور تاڑا تھے۔گندی نظر والے بدمعاش قسم کے آدمی۔

پہلے تو یہ کھیتوں میں بنے فارم ہاؤس میں رہتے تھے یا زیادہ تر شہر میں ہوتے تھے لیکن کچھ ہفتوں سے یہ حویلی میں بنے کواٹر میں رہ رہے تھے۔وہ رانی کو باہر آتے جاتے بڑی ہی عجیب نظروں سے دیکھتے۔

رانی بے چاری دوپٹہ لپیٹ کر انکے سامنے سے گزرتی۔وہ انکی آنکھوں سے سہم سی جاتی تھی۔

اس شام بھی بہت تیز بارش ہو رہی تھی۔

شازیہ بیگم نے اپنے ایک ملازم کو بھیج کر رانی کے گھر یہ پیغام بھیج دیا تھا کہ رانی اس حویلی رہے گی۔

انہیں رانی سے کچھ کام تھااس لئے رانی انکی طرف رک رہی تھی۔

وہ شام کو کھانا بنانے کے بعد شازیہ بیگم کے ساتھ انکی الماری صاف کروانے لگی۔ گڈی بھی انکا ساتھ دے رہی تھی جبکہ سکینہ اپنے کمرے میں بیٹھی کچھ کھا رہی تھی۔

رانی نے الماری سیٹ کروادی تو وہ گڈی کے ساتھ لونگ روم کی طرف چلی آئی۔

انکا ارادہ لڈو کھیل کر اور باتیں کر کے رات گزارنے کا تھا۔

گڈی بھی پانچویں جماعت تک رانی کے ساتھ ہی پڑھی تھی۔ پھر دونوں نے اسکول چھوڑ دیا۔ رانی کو کھانا بنانے میں دلچسپی تھی اور گڈی کو کھیلنے کھودنے میں۔ گڈی کی ماں نے تو شکر کیا تھا کہ اس نے اسکول چھوڑا ہے۔ اس نے اسے گھر کے سارے کوم سونپ دیئے دوسری طرف رانی ٹی وی سے اور اخبار جو کہ حویلی میں روز آتی ہے، سے نئے نئے پکوانوں کی ترکیبیں سیکھنا شروع کر دیا۔ وہ ہر قسم کا دیسی کھانا بنا لیتی تھی اور اسکے اسی ہنر کی وجہ سے شازیہ بیگم نے اسے بطور باورچی رکھ لیا تھا۔

وہ شازیہ بیگم کی خاص تھی۔ وہ انکے پرسنل کام بھی کر دیا کرتی۔ مثلاً انکے خاص کپڑے اچھے سے استری کرنا یا انکی الماری اور زیورات کی صفائی وغیر کرنا۔

چودھری کو بھی رانی کے ہاتھ کا کھانا پسند تھا اور وہ اکثر چھوٹے موٹے جملوں سے اسکی تعریف کر دیا کرتے تھے۔

جب کبھی علی آتا تو شازیہ بیگم اس سے کئی قسم کے کھانے بنواتی لیکن رانی اور علی کبھی بھی ٹھیک سے نہیں ملے تھے۔ چونکہ علی ہمیشہ بڑے اسکول اور پھر کالجوں میں پڑھا تھا اس لئے اسکا زیادہ وقت بورڈنگ سکول اور شہر کے ہاسٹل میں ہی گزرا تھا۔

وہ علی کو جیسے جانتا ہی نہ تھا۔

علی نے ایک دو بار ہی رانی نامی باورچی کا نام اپنی ماں کے منہ سے سنا ہو گا۔

"نوڈلز ہی بنا لو رانی۔" گڈی نے فرمائش کی۔

رانی نے لونگ روم میں لگی سنہری گھڑی کو دیکھا۔ گھڑی رات کے ساڑھے گیارہ بجا رہی تھی۔

رانی نے سر ہلایا اور کچن کی طرف بڑھ گئی اور گڈی اسکے جاتے ہی گوٹیاں آگے پیچھے کرنے لگی تھی کچن سے رانی کی آواز آئی۔

"مجھے پتا ہے تم بے ایمانی کر رہی ہو۔۔۔ چلو شاباش میری لال گوٹی کو واپس اسکی جگہ پر رکھو۔"

گڈی شرمندہ ہو گئی اور گوٹی کو واپس اسکی جگہ پر رکھ کر کچن کی طرف چلی آئی۔

"تمہیں کیسے پتا چل جاتا ہے ہمیشہ۔" گڈی نے منہ بناتے ہوئے پوچھا۔

رانی پانی گرم کر رہی تھی۔

"تمہیں بچپن سے جانتی ہوں۔ تم شروع سے ہی چیٹنگ باز ہو۔" رانی ہنسی۔

گڈی بھی ہنس دی اور پھر دونوں دبا دبا سا ہنسنے لگیں۔

رانی نے گرم پانی میں کچے نوڈلز ڈالے اور پھر مصالہ ڈال کر اسے چمچ سے ہلانے لگی۔

"ویسے ایک بات پوچھوں۔" گڈی نے آس پاس دیکھا اور رازدارانہ انداز میں بولی۔ "یہ چودھری کے نئے ملازم مجھے کچھ ٹھیک نہیں لگتے۔ تمہیں بھی ایسا ہی محسوس ہوتا ہے کیا۔"

رانی ایک پل کے لئے جہاں تھی وہی ٹھہر گئی۔

"پتا نہیں۔۔۔وہ بہت برے طریقے سے دیکھتے ہیں۔انکی نظریوں لگتا ہے جیسے اندر تک جا رہی ہو۔"

رانی بول رہی تھی اور گڈی خاموشی سے سن رہی تھی۔

"انکی گندی نظر کی وجہ سے میں بہت مشکل سے بچ پاتی ہوں۔وہ ہر دوپہر میرے آنے سے پہلے ایک ساتھ گیٹ کے قریب بیٹھ جاتے ہیں اور مجھے آتے جاتے دیکھتے ہیں۔"

"انکے گھر اپنی بیٹاں نہیں ہیں کیا؟ بے شرم لوگ۔" گڈی جل کر بولی۔ "کسی نے باپ بھائی نے انہیں پکڑ لیانا ایسے دیکھتے تو انکی خیر نہیں۔"

بارش مزید تیز ہونے لگی۔

"گڈی۔۔۔" یہ سکینہ کی آواز تھی۔ "اپنے ابو کی ٹانگیں نتاڑ (پیروں پر کھڑے ہو کر انکو دبانا) دے۔"

سکینہ کچن کے دروازے کے پاس کھڑی تھی اور اس کے کپڑے چھتری کے باوجود گیلے ہو گئے تھے۔

گڈی نے منہ بنا کر رانی کو دیکھا اور سکینہ کی طرف بڑھ گئی۔

رانی کے نوڈلز تیار تھے۔

وہ نوڈلز کو ٹھنڈے برتن میں ڈال رہی تھی جب کسی نے پیچھے سے اسکے سر پر کچھ مارا۔ چوٹ زیادہ گہری نہ تھی لیکن وہ بے ہوش ہو چکی تھی۔

اس نے بے ہوش ہوتے ان دونوں بد معاش نما آدمیوں کو دیکھا تھا۔

وہ اسے گھسیٹتے ہوئے باہر لے آئی۔ بارش پورے جوش سے برس رہی تھی۔

ان درندوں نے رانی کا جسم نوچ کھایا اور اسکی عزت پامال کر دی۔

رانی کو ہوش آنے لگا تھا۔ اس کا ریپ ہو رہا تھا۔ اس بے چاری کا سارا جسم درد کر رہا تھا۔ اس وقت وہ کوارٹر میں تھی۔

شوقا ایک طرف سارا تماشہ دیکھ رہا تھا۔

"ابے سالے یہ تو جاگ رہی ہے۔۔۔ تیرا ہوا گیا۔۔۔ تو اسکا منہ بند کر۔۔۔ اسے کپڑے سے باندھ دے۔" تارا اس وقت خبیث لگ رہا تھا۔

ان دونوں کے چہروں پر درندگی ٹپک رہی تھی۔

رانی نے چلانا چاہا لیکن اسکی آواز جیسے مر گئی تھی۔

شوقے نے اسکا منہ بند کر دیا تھا۔ اس نے اسکے منہ میں کپڑا ٹھونس دیا تھا۔

وہ چلانے کی کوشش کرتی رہتی۔ خود کو بچانے کی خاطر تڑپتی رہی۔

اس رات رانی کے ساتھ بار بار ایسا ہوا۔ اسکی روح کو بار بار زخمی کیا گیا۔

اس کے جسم سے سرخ مایا بہنے لگی۔اسکے ہاتھ اسکی ٹانگوں پر کئی جگہ تشدد کے نشان ابھرے۔

اس رات رانی مر گئی صرف اسکی روح نکلنا باقی تھی۔

ان دونوں نے صبح ہونے تک بار بار اسکے ساتھ زیادتی کی بنا یہ سوچے کہ خدا انہیں دیکھ رہا ہے اور وہ انصاف کرنے والا ہے۔

اگلی صبح فجر کی آذان سے پہلے ان دونوں نے اسے اٹھایا اور کھیتوں میں چھوڑنے نکل پڑے۔انہیں پتا تھا یہ مر جائے گی اور نہ مری تو انکے لئے عذاب بن جائے گی۔ان دونوں کا اردہ اسے کھیتوں میں لے جا کر مار دینے کا تھا۔وہ کھیتوں میں پہنچے تو شفیق اپنی فصل کو دیکھنے آیا تھا۔

انہوں نے شفیق کو وہاں دیکھ کر رانی کو وہیں پھینک دیا۔

اس وقت گاؤں کی مسجد میں مؤذن اذان دے رہا تھا۔

اللہ ہو اکبر

سہ گوش
(از زین علی)

شفیق جب وہاں سے واپس گھر جانے کے لئے نکلا تو اسے کسی کی درد بھری آواز سنائی دی اس نے آگے بڑھ کر دیکھا تو وہاں رانی، وہ بچی جو اسکے ہمسائے میں رہتی تھی وہ گری پڑی تھی۔

خون سے لت پت۔

ایک درخت کے پیچھے چھپے تاڑا اور شوقا سب دیکھ رہے تھے۔

دور گاؤں سے اذان کی آواز ان چاروں کو سنائی دے رہی تھی۔

شفیق رانی کو یوں دیکھ کر ڈر گیا اور وہ ڈرتے ہوئے اسکے قریب گیا۔

اس نے رانی کو اٹھانا چاہا تو رانی نے ہمت کر کے اسکا بازو نوچ لیا۔

شفیق نے رانی کو وہیں چوڑا اور ڈرتا ہوا گھر آگیا۔ وہ سمجھ چکا تھا کہ رانی کے ساتھ تقدیر نے کیا کیا ہے۔

بے چاری رانی۔ وہ سوچتے رہ گیا۔

تاڑے نے رانی کا گلا دبا کر اسکی روح کو آزاد کر دیا اور پھر اسے ندی کے کنارے چھوڑ دیا۔

وہ دونوں سورج نکلنے تک وہیں بیٹھے رہے اور پھر جب لوگ جمع ہونے لگے تو بھاگ گئے۔

نوری نے انہیں وہاں سے بھاگتے ہوئے دیکھا تھا اور اسے دیر سہی لیکن گواہی بھی دے دی تھی۔

فلک نے جب رانی کے ریپ اور ڈی این اے والی فائل پڑھی تھی تو اسے ڈی این اے رانی کے جسم سے دو لوگوں کا ملا تھا لیکن خون کے سمپل تین ملے تھے۔ اس لئے اسے شک تھا کہ ریپ دو لوگوں نے اور قتل تین لوگوں نے مل کر کیا ہے۔

مٹیار گل نے شفیق سے اسکی طرف کی کہانی سن لی تھی۔ شفیق اس گناہ میں بے شک شامل نہ تھا لیکن وہ اگر رانی کو اس وقت بچا لیتا تو وہ آج شاید زندہ ہوتی۔

وہ زخمی روح کے ساتھ بھی زندہ ہوتی۔

وہ کاش اسکے گھر والوں کو بتادیتا تو اسکا علاج ہو جاتا لیکن کیا روح پر لگے زخموں کا

علاج ہو جاتا ہے؟

رانی جو کہ ایک اچھی انسان تھی لیکن اسکے ساتھ ایسا ہی ہونا لکھا تھا۔

مٹیار نے خود سے عہد کیا تھا کہ فلک کے آتے ہی وہ کورٹ میں شوقا اور تاڑا کی

پھانسی کی اپیل کرے گا اور رانی کو انصاف دلائے گا۔

مٹیار گل نے شفیق کا سارا بیان ٹیلی فون کر کے فلک کو بتادیا تھا۔

فلک چار دن بعد واپس آئے گا۔اس نے مٹیار گل کو آرڈر دیا کہ شفیق اور اسکے بیٹے کو

چھوڑ دیا جائے البتہ ان دونوں پر نظر رکھی جائے۔

فلک نے بھی کہا کہ احسان کو صرف یہ بتانا کہ اسکا باپ بے قصور ہے، یہ مت بتانا

کہ اس نے رانی کو مرتا دیکھ اسکی مدد نہیں کی۔

مٹیار گل نے بات کو سمجھتے ہوئے فون رکھا۔

''تم دونوں گاؤں چھوڑ کر نہیں جاؤ گے۔'' کچھ دیر بعد شفیق اور احسان اسکے سامنے کھڑے تھے۔

''احسان تمہارا باپ اس کیس میں ملوث نہیں ہے۔'' مٹیار گل نے خود پر صبر رکھتے ہوئے بتایا تھا۔

''ہم جا سکتے ہیں۔'' شفیق بولا۔

شفیق کی خاطر داری ہوئی جس کی وجہ سے اسکا جسم درد کر رہا تھا۔

''ہاں جاؤ۔'' مٹیار گل نے تیز لہجے میں کہا۔

وہ دونوں ایک ساتھ باہر نکل آئے۔

''ابو آپ نے سچا بیان دیا ہے نا۔'' احسان کو جیسے شک سا تھا۔

''میں بے قصور ہوں پتر۔۔۔ میں نے کچھ نہیں کیا۔'' اس نے بے قراری سے کہا۔

شفیق اندر ہی اندر اس دن کئے عمل کی وجہ سے شرمندہ ہو رہا تھا۔ کاش وہ اسکی اس وقت مدد کرتا۔ کاش۔۔۔

وقت گزر جائے تو یہ کاش ہی رہ جاتی ہے۔

رانی قتل کیس آخر حل ہو گیا تھا اب صرف رانی کو انصاف ملنا باقی ہے۔

فلک اور مٹیار گل وہ بھی کر لیں گے۔

—☆☆☆—

رات ہو چکی تھی۔

ساغر اور علی گاؤں پہنچ چکے تھے۔ علی ساغر کو سیدھا نئی حویلی لے کر گیا تھا۔

علی اس بات سے بے خبر تھا کہ اس کے گھر کی ایک ملازمہ کا قتل ہو گیا تھا اور اس کے قتل میں اس کے باپ کے دو ملازم ملوث تھے۔ وہ اس بات سے بے خبر تھا کہ اس نئی حویلی میں کیا کیا ہو رہا ہے وہ اس بات سے بے خبر تھا کہ اس کی چھوٹی بہن کے ساتھ پچھلے دنوں کیا ہوا ہے۔ وہ اس بات سے بھی بے خبر تھا کہ اس کی بہن کو اس مری ہوئی باورچی لڑکی کی شکل اپنے خواب میں دکھائی دے رہی تھی اور کسی

نے اس سے بتانا مناسب سمجھا ہی نہیں تھا کیونکہ علی تو اس گھر میں رہتا ہی نہیں تھا۔

علی نے ساغر کو اپنا سارا گھر دکھایا اور پھر اسے اپنے کمرے میں لے آیا شازیہ بیگم اپنے کمرے میں تھیں علی ان سے ایک بار مل آیا تھا اور پھر ساغر کے ساتھ اپنے کمرے میں بیٹھا اسے اپنے گاؤں کے بارے میں بتانے لگا۔

سچ میں اس کا گاؤں تھا تو بہت خوبصورت لیکن رانی کے قتل کے بعد لوگ ذرا سہم سے گئے تھے۔ یہ ان کے گاؤں میں پہلا قتل تھا جس کی وجہ سے گاؤں میں دہشت پھیل گئی تھی۔ گاؤں والے اب ویسے نہ تھے جیسے پہلے تھے خوش مزاج اور ہنس مکھ۔ وہ ڈرتے تھے کہ کہیں ان کی لڑکیوں کے ساتھ بھی ویسا نہ ہو جیسا رانی کے ساتھ ہوا۔ بے شک رانی کے ماں باپ نے سب کو اس کی موت کا پورا سچ نہں بتایا تھا لیکن لوگ خود ست ہی بہت کچھ سمجھ چکے تھے۔ رانی کے ساتھ جو بھی ہوا وہ غلط تھا لیکن اس کی قسمت میں یہی تھا۔ چمن پور اب بدل چکا تھا۔

چمن پور کا موسم تو ویسا ہی تھا لیکن وہاں کے لوگوں کے دل بدل چکے تھے۔ایک خوف کی لہر تھی جو لوگوں کے دلوں میں بیٹھ چکی تھی اور اب سالوں لگنے تھے اس بات کو بھولنے میں۔

شازیہ بیگم نے علی کو کہا کہ وہ اسکے دوست سے رات کو ڈنر کے وقت ملے گی۔وہ اس گھر کا خاص مہمان تھا اس لئے وہ رات کو چودھری کے ساتھ ہی انہیں ملے گیں۔

”تم فریش ہو جاؤ میں تمہیں اپنی الماری سے اپنے کپڑے نکال دیتا ہوں۔“

علی اٹھا اور الماری سے اپنے کپڑے نکال کر اسے دکھانے لگا ساغر نے ایک شلوار قمیض چنی اور باتھ روم میں گھس گیا۔

علی چلتا ہوا بالکنی کے دروازے کی طرف آیا اور دروازہ کھول کر بالکونی پر نکل آیا۔

باہر موسم خوبصورت تھا ٹھنڈی ہوائیں چل رہی تھی جس کی وجہ سے موسم خوشگوار ہو گیا تھا۔

ہوا میں نمی سی تھی۔

علی کی نظر باغیچے میں کام کرتے مالی پر پڑی جو اس وقت پودوں کو پانی دے رہا تھا۔

اس نے ایک نظر اسے دیکھا اور پھر آسمان کی طرف دیکھنے لگا۔ آسمان پر چند ایک بادل تیرتے ہوئے آگے کی طرف بڑھ رہے تھے اور چاند کی روشنی میں بادل چمک سے رہے تھے۔

ساغر فریش ہو کر بالکونی کی طرف چلا آیا

''تم فریش ہو گئے! میں بھی فریش ہو جاتا ہوں۔ پھر ڈنر کے لیے نیچے چلتے ہیں۔ ماما کہہ رہی تھی بابا بھی واپس آنے والے ہیں۔'' علی بولا۔ ''میں تمہیں اپنی ساری فیملی سے ملواؤں گا۔''

''اچھا ٹھیک ہے تم فریش ہو جاؤ۔'' ساغر نے سر ہلاتے ہوئے کہا۔

علی بالکونی سے باہر نکل آیا اور باتھ روم میں اپنے کپڑے لے کر چلا گیا۔ ساغر وہاں کھڑا باہر باغیچے اور لان کو دیکھنے لگا وہاں ایک بوڑھا آدمی پودوں کو پانی دے رہا تھا۔

”اس وقت پودوں کو پانی کون دیتا تھا۔“اس نے سوچا اور اس خیال کو دماغ سے جھٹکتے ہوئے کمرے میں آگیا۔

اسے علی کے کمرے کی بہت ساری تصویریں بنا کر زیب کو ای میل کرنی تھی۔

ساغر اسکے کمرے کی تصویریں بنانے لگا اور اس نے چند منٹوں میں بہت ساری تصویریں فون کے کیمرے سے قید کر لیں۔

علی باتھ روم سے باہر نکلا تو اس نے سفید رنگ کی شلوار قمیض پہنی ہوئی تھی۔ وہ وجیہہ لگ رہا تھا۔ ساغر نے آف گرین رنگ کی شلوار قمیض پہنی ہوئی تھی۔

ساغر نے دوسری بار علی کے کپڑے پہنے تھے۔

وہ دونوں نیچے چلے آئے بے شک یہ حویلی بہت بڑی اور بہت خوبصورت تھی۔ ساغر آس پاس دیکھتا ہوا آگے بڑھ رہا تھا۔ اچانک دو بچے انکے قریب سے بھاگتے ہوئے گزرے۔

وہ دونوں ایک جیسے تھے۔ فرق صرف اتنا تھا کہ ایک کے بال کندھوں تک تھے اور دوسرے کے چھوٹے چھوٹے تھے۔ ایک نے شلوار قمیض پہن رکھی تھی اور دوسرے نے ڈریس۔ ایک لڑکی تھی اور دوسرا لڑکا۔

یہ ثمر اور ثمرہ تھے۔ علی نے انہیں روکا اور ساغر کا دونوں سے تعارف کروایا۔

وہ دونوں اپنے بھائی کے دوست سے مل کر بہت خوش ہوئے اور اسکا ہاتھ پکڑ کر اپنے ساتھ لے گئے۔ علی بھی انکے پیچھے چل دیا۔ وہ سارے ڈائننگ ہال کی طرف گئے تھے۔

—☆☆☆—

صلومی اور کمیل تیار ہو کر ڈنر کرنے جا رہے تھے۔ صلومی کے فرمائش پر کمیل نے براؤن رنگ کی شلوار قمیض پہنی تھی۔ اسی رنگ کی شلوار قمیض اس نے تب پہنی تھی جب وہ پہلی بار ایک ساتھ بازار گئے تھے۔

وہ بھی کیا دن تھا۔ صلومی نے سوچا۔

کمیل کے چند گھنگریالے بال اسکے ماتھے پر گر رہے تھے۔ جنہیں وہ سیٹ کرنے کی کوشش کر رہا تھا۔

''ایسے ہی اچھے لگتے ہیں۔ رہنے دیں۔'' صلومی نے اسکے پیچھے کھڑتے ہوتے ہوئے کہا۔

وہ شیشے میں بنا مڑے اسے دیکھ رہا تھا۔

''صلومی تمہاری آنکھیں بہت پیاری ہیں۔'' کمیل نے اسکی آنکھوں کو دیکھا۔

صلومی نے آج کاجل بھی لگایا تھا۔ کمیل نے اسکی کاجل سے بھری آنکھیں آج پہلی بار دیکھی تھیں۔

''عام سی تو ہیں۔'' صلومی اسکے قریب چلی آئی اور اسکے ساتھ کھڑی ہو گئی۔

کمیل اسکی طرف مڑا۔ کمیل کے پرفیوم کی خوشبو صلومی کے نتھنوں سے ٹکرائی۔

اس نے ایک گہرا سانس اندر کھینچا۔

"عام سی تو نہیں ہیں۔" کمیل شکایتی لہجے میں بولا۔ "میری نظر سے دیکھو۔ دنیا کی سب سے پیاری آنکھیں ہیں۔ اور انکا رنگ وہ بھی بہت خوبصورت ہے۔"

وہ قد میں اس سے اونچا تھا۔ وہ اسکے سینے تک آتی تھی۔

"ویسے آپکی آنکھوں کا رنگ اور میری آنکھوں کا رنگ تقریباً ایک سا ہے۔ بس شیڈ کا فرق ہے تھوڑا سا۔"

"ہاں تو ہم کون سا کسی ناول کے کردار ہیں جو تمہاری آنکھیں سبز اور میری آنکھیں نیلی ہو گیں۔ ہم تو عام انسان ہیں جو مل کر ایک دوسرے کو خاص بناتے ہیں۔"

"ناول سے یاد آیا۔۔۔ مجھے آپ لائبریری لے کر جائیں گے کل۔" اس نے پوچھا نہیں تھا۔ اس نے تو جیسے حکم صادر کیا تھا۔

کمیل نے ادب سے ہلکا سا سر جھکایا۔

Fiction Shelve

یہ ہماری محبت ہوتی ہے کہ ہم کسی کا مان رکھ لیتے ہیں۔ کسی کی عزت کرتے ہیں اور انہیں عزت دیتے ہیں۔ یہ ہمارا پیار ہوتا ہے کہ ہم کسی کو محبت سے دیکھتے ہیں اور اسے خاص محسوس کروانے کے لئے اسکی مرضی مان لیتے ہیں۔

"ہاں چلیں گیں۔" کمیل نے ہلکا سا جھک کر صلومی کے ماتھے کو چوما اور پھر اسے جلدی تیار ہونے کا کہہ کر ایک طرف بیٹھ گیا۔

صلومی کو اپنا آپ ایک دم اور حسین لگنے لگا تھا۔

صلومی تیار ہو گئی تو وہ دونوں ہوٹل سے نکل کر کمیل کے رستوان میں آ گئے۔

رسٹورنٹ کی منزل پر اوپر بڑا سا "Kay Restaurant" کا روشن بورڈ لگا ہوا تھا۔

روٹین کے مطابق آج یہاں کافی رونق تھی۔ وہ دونوں دوسری منزل پر بنے پرائویٹ وی آئی پی ایریا میں آ گئے۔

”تم کھانا آرڈر کرو۔ میں ایک کال کر کے آتا ہوں۔“ کمیل اتنا کہہ کر اٹھا اور کمرے سے باہر نکل گیا۔

یہ اس رستوان کا وی آئی پی کمرا تھا۔ بہت ہی خوبصورت اور شاندار۔

میز کے پاس کھڑا ویٹر صلومی کا آرڈر لکھنے لگا اور اتنی دیر میں کمیل کال کر کے واپس آ گیا۔

”کیسا لگا ریسٹورنٹ کا یہ حصہ۔ اچھا ہے نا۔“ کمیل نے بیٹھتے ہوئے پوچھا۔

”بہت خوبصورت ہے۔“

صلومی کو وہ دن یاد آیا جس دن کمیل نے سارا رستوان اس کے لئے بک کیا تھا۔ وہ سارا کھانا، وہ میوزک اور وہ رِنگ۔

اس نے لاشعوری طور پر اپنے ہاتھ کو دیکھا۔ انگھوٹی دمک رہی تھی۔

—☆☆☆—

(یہ کیسی تاریک رات ہے

میں کس مقام پر ہوں

کہ شور کر رہی ہیں ہر طرف یہ تیز و تند ہوائیں

جو اپنے ہر وار پر طنز کرتی ہیں)

کمیل اور صلومی دونوں کھانا کھا رہے تھے۔

''صلومی۔۔۔ گرے ٹاؤن میں مجھے ایک گھر پسند آیا ہے۔''اس نے کانٹے سے گوشت کا ٹکرا منہ میں ڈالا اور چپاتے ہوئے دوبارہ بولا۔''کل چلیں گیں دیکھنے۔''

''اوکے۔۔۔''صلومی کا دل خوش ہو گیا تھا یہ سن کر۔

وہ شادی کے بعد پہلی بار اپنے شوہر کے ذاتی گھر میں جائے گی۔

''کھاؤ۔'' کمیل نے صلومی کو سوچتے ہوئے دیکھا تو بولا۔''کل جانا ہے ابھی نہیں۔''

صلومی کھانے لگی۔

''میں کچھ اور بھی سوچ رہا ہوں۔''

صلومی نے اسے دیکھا۔ جیسے اسکے مزید بولنے کا انتظار کر رہی ہو۔

"تم اس رستوان میں کام کیوں نہیں کر لیتی۔" کمیل نے ایک نظر اسے دیکھتے ہوئے کہا۔

"آپ چاہتے ہیں کہ میں "کے رسٹورنٹ" میں کام کروں۔" صلومی نے اپنی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا۔ "میں کیا کروں گی یہاں۔"

"مینیجر سے کام سیکھ لو اور پھر تم دونوں مینیجرز ایک ساتھ اس رستوان کا چلانا اور فکر نہ کرو یہاں کی مینیجر ایک لڑکی ہے۔"

کمیل ساتھ ساتھ کھا رہا تھا۔

"میں اس بارے میں سوچوں گی۔" صلومی نے سوچتے ہوئے کہا تھا۔

(تیرگی میں ڈوبے ان دیوں کے نور پر
جو جل رہے ہیں نسل، عقیدے، قاعدے اور ہر معاشرتی تفریق سے آزاد ہو کر
جو اپنی اپنی بساط کے تئیں بکھیرنا چاہتے ہیں جہان بھر میں)

ساغر اور علی دونوں آمنے سامنے بیٹھے تھے۔ علی کی دائیں طرف شازیہ بیگم بیٹھی تھیں اور ساغر کی دائیں طرف ثمر اور ثمرہ بیٹھے ہوئے تھے۔

چودھری سلطان وہاں ابھی نہیں آئے تھے۔

سکینہ اور گڈی ٹیبل پر کھانا لگا رہیں تھیں۔ جبکہ ساغر ثمر اور ثمرہ سے چھوٹی چھوٹی باتیں کر رہا تھا۔

کچھ دیر بعد سلطان کمرے میں آتے دکھائی دیے۔

سب لوگ ادب میں کھڑے ہو گئے۔

"السلام علیکم بابا۔۔۔" علی نے سلام کیا اور بولا۔ "بابا یہ میرا دوست ساغر ہے۔"

سلطان نے ایک نظر اسے دیکھا۔

ساغر نے سلام کیا۔ سلطان نے جواب دیتے ہوئے ان کو بیٹھ جانے کا اشارہ کیا۔

"بسم اللہ کریں۔" سلطان بولے۔

سب نے کھانا پلیٹوں میں ڈال کر کھانا شروع کر دیا۔ علی خاص طور پر ساغر کو ساری چیزیں پیش کر رہا تھا۔

کھانا کھانے کے دوران علی بولا۔ ”ماما کھانے میں پہلے جیسا ذائقہ نہیں ہے۔“

”نہیں تو کافی اچھا ہے۔“ ساغر نے جھوٹی تعریف کی۔

”جو لڑکی پہلے یہاں کھانا بناتی تھی۔۔۔“

”وہ چلی گئی۔“ شازیہ نے سلطان کو ٹوک کر کہا تھا۔

انہیں لگا وہ قتل کا ذکر مہمان کے سامنے ہی کر دیں گے۔

ساغر نے سلطان کو شازیہ کی طرف دیکھتے، دیکھ لیا تھا۔

وہ سمجھ چکا تھا کہ کچھ تو راز ہے۔ آخر کار وہ ایک جاسوس تھا۔ لہجوں کو وہ اچھی طرح جانتا تھا۔

سب لوگ دوبارہ خاموشی سے کھانے لگے۔

ساغر نے سلطان کو بہت غور سے دیکھا تھا۔انکی شکل کسی سے تو بہت زیادہ ملتی تھی۔ کس سے ؟وہ سوچنے لگا۔

(محبت، ہمدردی،انسانیت اور امن کی روشنی

جو بتارہا ہیں کہ ڈھل رہی ہیں رات بس

جو دے رہے ہیں نویدِ صبح کا پیام

جو اس نفرتوں کے شور میں بھر رہے ہیں جہان کو خاموشی سے)

رات ہو چکی تھی۔ جہان کو نہ اسکی مطلوبہ کال آئی تھی اور نہ وہ آفس گیا تھا۔زیب نے دو تین بار کال کر کے اس سے پوچھا تھا آفس آنے کا لیکن اس نے ساری میٹنگز کینسل کروادیں تھیں۔

زیب بے چارے کو کافی ڈانٹ پڑی تھی۔وہ یقیناً آفس میں بیٹھا جہاں کے نکل اتار کر اپنا غصہ ڈھنڈا کر رہا ہو گا۔

سہ گوش
(از زین علی)

وہ سارا دن گھر پر ہی رہا تھا۔ وہ سارا دن اپنی لائبریری میں بیٹھا کوئی سائنس فکشن ناول پڑھتا رہا۔

اسے کلاسک اور سائنس فکشن ناول پڑھنا پسند تھا۔ اس نے گھر میں کافی کا بڑا سا مگ تین چار بار بنایا تھا۔

اس کی زندگی میں کافی ہی رہ گئی تھی جس سے اسے سکون ملتا تھا۔

کافی کی عادت اسے ان دونوں میں لگی تھی جب وہ ہاسٹل میں ساری ساری رات جاگ کر کام کیا کرتا تھا۔ نیند کو دور رکھنے کے لئے وہ ساری رات کافی پیتا رہتا اور پھر کافی جیسے اسکا نشہ، اسکی ضرورت بن گئی۔

کچھ عادتیں زندگی کا حصہ بن جاتی ہیں اور پھر ان عادتوں کو بدلنا اپنی زندگی بدلنے کے برابر ہو جاتا ہے۔

(مگر یہ کہاں سے آرہی ہیں تیز و تند ہوائیں

جو حائل ہے ہر روشنی کے راستے میں

ہیں جن کی ترجیحات وہی فرسودہ نظام کے اثر انداز

ہے جن کی عقل و فہم روایتی لڑائیوں اور نفرتوں کی مقید)

تنزیلہ اپنے کمرے میں بیٹھی اپنا میک اپ، میک اپ وائپس سے اتار رہی تھی۔

اس کا چہرہ جیسے برف تھا۔ سنجیدہ اور سفید۔اس کے چہرے کی لالگی جیسے بہت

عرصہ پہلے ہی ختم ہو چکی تھی۔

اس نے ایک نظر بیڈ پر بیٹھے، اپنی عمر سے دوگنی عمر کے اپنے شوہر کو دیکھا۔وہ اس کی

عزت تو کرتا تھا، اسے پسند بھی کرتا لیکن شاید پیار نہیں کرتا تھا۔

کبھی کبھی تنزیلہ سوچتی تھی کہ میرب کی ماں کہاں گئی ہو گی۔ یا وہ گھر سے بھاگی

ہو گی یا کسی نے اسکو اغواہ کر لیا ہو گا۔

میرب کی ماں کہاں گئی۔ کبھی کبھی اسے بہت تجسس ہوتا تھا لیکن پھر وہ اس خیال کو

دماغ سے نکال دیتی۔

اس نے میک اپ ہٹا لیا تو باتھ میں فریش ہونے چلی گئی۔

(ہیں جن کی نظر میں جذبات کی سچائیوں سے دستاریں افضل

جانے یہ ہوائیں روشن امیدوں پر جلتے کتنی ہی دیوں کو نوچ رہی ہیں

اور نا جانے کتنوں کو ان کی حقیقت سے دور کرنے کا سوچ رہی ہیں)

روبی بیڈ پر لیٹی، کانوں میں ہینڈ فری لگائے گانا سن رہی تھی۔ اس نے آنکھیں بند کر رکھی تھیں۔

کمرے میں نیم اندھیرا تھا۔

اچانک ہینڈ فری میں کال بیل کی آواز گونجی۔ اس نے آنکھیں کھول کر سکرین کو دیکھا۔

"کاشف۔" کال کرنے والے کا نام جگمگاتا ہوا اسے دکھائی دیا۔

اس نے کال اٹھائی اور اس سے باتیں کرنے لگی۔

کیا روبی کو کاشف کا دوسرا روپ کبھی دکھائی دے گا۔۔۔ کیا پھر وہ اسے ایسے ہی محبت کرے گی؟ جب اسے پتا چلے گا کہ وہ۔۔۔

(یہیں ہوائیں میرے وجود سے گزرتی ہے

اور تیرگی جب بڑھتی ہے تو سوچتا ہوں

یہ کیسی تاریک رات ہے

میں کس مقام پر ہوں

عمیرا احسن)

”کیا وہ قتل تم نے کیا ہے؟“ فلک کی آواز کمرے میں گونجی۔

شیر جان فک کے پیچھے کھڑا تھا اور وہ کرسی پر بیٹھا ہوا تھا۔

کمرے میں اندھیرا تھا اور بالکل درمیان میں میز کے اوپر ایک سپاٹ لائٹ تھی۔

فک کے سامنے والی کرسی پر شاہینہ بیٹھی ہوئی تھی۔

”میں۔۔۔وہ۔۔۔“ وہ بول نہ سکی۔

فلک نے ایک نظر شیر جان کو دیکھا۔وہ اسے باہر جانے کا اشارہ کر رہا تھا۔

شیر جان نے ایک نظر شاہینہ کو دیکھا اور باہر نکل گیا۔

''میں نے۔۔۔نہیں کیا قتل۔۔۔فلک۔''

''تم اس کمرے میں ایک لڑکے کے ساتھ ملی ہو۔وہ لڑکا جو آدھے کپڑوں میں تھا اوراسکے سینے میں خنجر تھا۔''

''میری بات مانیں۔۔۔میں نہیں۔۔۔''وہ جیسے یقین دلانے کی کوشش کرنے لگی۔

''مجھے سوچنے دواور شیر جان سے بات کرنے دو۔''فلک باہر نکل آیا۔

فلک باہر کھڑا تھا۔

''خنجر کو لیب بھیجواور اس باڈی کو بھی۔''

''کر چکا ہوں۔''شیر جان نے روکھے لہجے میں بتایا۔

فلک کمرے کے باہر دیوار کے ساتھ رکھے بینچ پر بیٹھ گیا۔

''ناراض ہو۔''فلک نے شیر جان کو دیکھا۔

”تم کونسا میرے شوہر ہو جو میں بیویوں کی طرح تم سے ناراض ہونا ہے۔“

شیر جان اسکے ساتھ بیٹھ گیا۔

فلک ہنس دیا۔

شیر جان ویسا ہی تھا وہ بدلنے والوں میں سے نہ تھا۔

لیکن اس یہاں حالات بدل گئے تھے۔ اسکی منگیتر پر قتل کا الزام تھا۔

—☆☆☆—

جاری ہے